بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

## باغِ فدک کے مسئلہ پر ایک نئی تحقیق

ضوء الفلق علی مسئلۃ فدک

یعنی باغِ فدک کے مسئلہ پر

# صبح کی روشنی

جس میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان کا دفاع کرتے ہوئے مولوی چمن زمان کی کتاب پر تبصرہ، مسلکِ حق اہل سنت وجماعت کی وضاحت اور حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

مصنّف: فقیر عطا محمد نقشبندی مجددی حنفی

ناشر ادارہ تجلّیاتِ امام ربانی جامعہ اسلامیہ خیر المعاد، قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ
وعلٰی اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

باغِ فدک کے مسئلہ پر ایک نئی تحقیق

# ضوء الفلق علی مسئلۃ فدک

یعنی باغِ فدک کے مسئلہ پر

# صبح کی روشنی

مصنّف: فقیر عطا محمد نقشبندی مجددی حنفی

جس میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان کا دفاع کرتے ہوئے مولوی چمن زمان کی کتاب پر تبصرہ، مسلکِ حق اہل سنت وجماعت کی وضاحت اور حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

ناشر: ادارہ تجلّیاتِ امام ربانی
جامعہ اسلامیہ خیر المعاد، قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان

فہرست مضامین

# فدک کے لغوی معنی، محلِ وقوع اور تاریخ

علامہ شہاب الدین حموی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

فدک کا معنی روئی دھنکنا ہے۔ روئی دھنکنے والے کو اہلِ عرب کہتے ہیں فدکت القطن (تو نے روئی کو دھنکا) فدک حجاز کی ایک بستی ہے۔ (معجم البلدان ج ۴ ص ۲۳۸)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

(فدک محركة بخيبر) فيها نخل وعين افاءها الله على نبيه صلى الله عليه وسلم (تاج العروس ج۷ص ۱۶۶ مطبوعه المطبعة الخيريه مصر ۱۳۰۶ھ)

ترجمہ: فدک خیبر کا ایک علاقہ ہے اس میں کھجور اور چشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ علاقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بطورِ فیئ عطا کیا تھا۔

علامہ ابنِ منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

فدک قرية بخيبر وقيل بناحية الحجاز فيها عين ونخل افاءها الله على نبيه صلى الله عليه وسلم (لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۷۳، مطبوعه ایران)

ترجمہ: فدک خیبر کے علاقے میں ایک بستی[1] ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حجاز کے ایک سرے پر واقع ہے۔ اس میں چشمے اور کھجور کے باغات ہیں اللہ نے یہ بستی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بطورِ فیئ عطا فرمائی تھی۔

امین اللہ وثیر لکھتے ہیں:۔

فدک شمالی حجاز میں خیبر کے قریب ایک قدیم قصبہ ہے جو یاقوت کے بیان کے مطابق مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔

بظاہر اس نام کی کوئی بستی اب موجود نہیں ہے البتہ حافظ وہبہ نے بیان کیا ہے کہ الحویط کا گاؤں جو کہ حرۃ خیبر کے آخری سرے پر واقع ہے، فدک ہی کی پرانی بستی کی جگہ آباد

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک اصل میں ایک بستی کا نام ہے چونکہ یہ بستی چشموں اور کھجور کے باغات پر مشتمل تھی اسلئے اس کو باغ فدک کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ہوا ہے خیبر کی طرح فدک بھی یہودی کاشتکاروں کی ایک آبادی تھی۔ یہاں پانی کے چشمے تھے اور کھجور اور اناج کی پیداوار ہوتی تھی یہ قصبہ دستکاری کیلئے مشہور تھا اور یہاں کمبل بننے کا کام کیا جاتا تھا۔ (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ ج ۵ ص ۲۱۰، مطبوعہ لاہور)

علامہ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم خیبر سے لوٹے تو آپ نے محیصہ بن مسعود کو فدک بھیجا اسوقت فدک کا رئیس یُوشع بن نون یہودی تھا۔ آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، فدک والے خیبر کی خبریں سن کر پہلے ہی مرعوب ہو چکے تھے۔ انہوں نے فدک کی آدھی زمین دینے پر صلح کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور وہ خاص آپ کے تصرف میں رہی۔ کیونکہ اس کو جنگ سے حاصل نہیں کیا گیا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اس زمین کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔ فدک والے اس جگہ رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا اور باقی نصف کی قیمت یہودیوں کو ادا کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو فدک ھبہ کر دیا تھا اور اس پر حضرت علی بن ابی طالب اور ام ایمن کی گواہی پیش کی، حضرت ابو بکر نے کہا: اے بنتِ رسول اللہ! دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا گواہی مقبول نہیں ہوتی تو وہ واپس چلی گئیں، اور امِ ہانی سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تمہارا کون وارث ہوگا؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا میری بیوی اور میری اولاد! حضرت فاطمہ نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وارث ہو اور ہم نہ ہوں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بنتِ رسول اللہ! میں سونے چاندی یا فلاں فلاں چیز کا وارث نہیں ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا خیبر میں جو ہمارا حصہ ہے اور فدک میں جو ہمارے صدقات ہیں، حضرت ابو بکر نے کہا اے بنتِ رسول اللہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں مجھے عطا کی ہیں اور میرے بعد یہ مسلمانوں پر صدقہ ہیں۔

اور عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حصہ سے اپنی میراث کا سوال کیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، اور یہ مال آل محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ضروریات اور ان کے مہمانوں کیلئے ہے۔ اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو اس کا متولی وہ شخص ہوگا جو میرے بعد مسلمانوں کا والی ہوگا۔ اس حدیث کو سننے کے بعد ازواج مطہرات میراث کے سوال سے باز رہیں۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا کہ فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تھا اور اس کی آمدنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے اور جو مال بچ جاتا اس کو مسافروں پر خرچ کرتے تھے اور یہ بیان کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ ان کو فدک ہبہ کردیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ نہ تمہارے لئے فدک کو ہبہ کرنے کا سوال کرنا جائز ہے اور نہ میرے لئے اس کو دینا جائز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اس کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی فدک کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرتے رہے، جب حضرت معاویہ حاکم ہوئے تو انہوں نے فدک مروان بن الحکم کو دے دیا اور جب مروان حاکم ہوا تو اس نے عبدالملک کو فدک ہبہ کردیا اور عبدالملک نے اپنے بیٹوں کو دے دیا۔ پھر یہ مجھے اور سلیمان اور ولید کو مل گیا۔ اور جب ولید حاکم ہوا تو میں نے اس سے اس کا حصہ مانگ لیا اس نے بھی مجھ کو اپنا حصہ دے دیا، سو میں نے فدک کے تمام حصوں کو جمع کرلیا اور میرے نزدیک فدک سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی مال نہیں ہے۔ اور میں تم تمام لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے پھر فدک کو اسی طرح لوٹا دیا ہے جس طرح

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں فدک پر عمل ہوتا تھا۔ (یعنی اس کو اپنی ملکیت سے نکال کر پھر وقف کر دیا ہے) پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلفاء اس کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے (یعنی اس کو بدستور وقف برقرار رکھا) (معجم البلدان ج ۴ ص ۲۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ)

# حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ظالم کہنے والوں کا ردِ بلیغ

## اعتراض:۔

اہلِ تشیع کی طرف سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ دل سوز اور سنگین اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باغ فدک چھین کر ان پر ظلم کیا تھا۔

پھر یہ اعتراض تین شکلوں میں وارد کیا جاتا ہے۔

(۱) باغ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی میراث میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ملنا تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ دیکر ان پر ظلم کیا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلاف میں ان سے غصب کر کے ان پر ظلم کیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے فدک کی وصیت کی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فدک پر تصرت نہیں دیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے پیغمبرِ خدا کی وصیت کی خلاف ورزی کی۔

اعتراض کی آخری شکل کو حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

طعن چهار دم آنکه پیغمبرِ خدا حضرت زهراء را بفدک وصیت کرده بود و ابوبکررا بر فدک تصرف نداد پس

خلافِ وصیت پیغمبر نمود (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۷۹، مطبوعہ کتب خانہ اشاعتِ اسلام مٹیا محل دھلی)

ترجمہ: چودھواں طعن یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے فدک کی وصیت کی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فدک پر تصرف نہیں دیا تھا۔ پس پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی وصیت کی خلاف ورزی ہوئی۔

اس اعتراض کے تفصیلی جواب سے پہلے ایک تمہیدی مقدمہ ضروری ہے تاکہ اعتراض کی تمام شکلوں کے جوابات واضح طور پر سمجھ میں آئیں۔

## تفصیلی جواب کیلئے ایک تمہیدی مقدمہ

جاننا چاہئے کہ جو اموال مسلمانوں کو کفار سے حاصل ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ اموال جو جنگ اور لشکر کشی کیذریعے حاصل ہوں۔ ان کو غنیمت کہا جاتا ہے۔

(۲) وہ اموال جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر حاصل ہوں ان کو فیئ کہتے ہیں۔

مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں ان میں سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور پانچویں حصے کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ (سورۃ انفال آیت ۴۱)

ترجمہ: اور جان لو کہ تمہیں جو چیز غنیمت میں حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول (کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔

اور مالِ فیئ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ (سورۃ حشر آیت ۷)

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیہات والوں سے اپنے رسول کو بطور فیئ دلوایا وہ

اللہ کیلئے ، رسول کیلئے ، قریبی رشتہ داروں ، یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔

ان دونوں آیتوں سے واضح ہو رہا ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور مال فیئی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذاتی ضروریات کیلئے بھی تھا اور رشتہ داروں اور حاجتمندوں کیلئے بھی جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافر سب شامل ہیں۔

فدک کا علاقہ اور خیبر کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا تھا ان کی آمدن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اُمہات المؤمنین کو سال بھر کا خرچ عطا فرماتے ، دوسرے رشتہ داروں کو بھی عطا فرماتے اور جو باقی بچتا وہ دوسرے حاجتمندوں ، یتموں ، مسکینوں اور مسافروں کو عطا فرما دیتے۔

حضرت سیدنا صدیق صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اس مال کو جس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا۔ بشرط انصاف معمولی غور کرنے سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مالِ فیئی کو صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے رشتہ داروں کے سپرد نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ حکمِ قرآن کے مطابق باقی لوگ بھی تو مستحق تھے ان تمام لوگوں کو معین کرنا بھی ممکن نہ تھا کہ ان کا حصہ دیکر باقی حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیتے۔ مثلاً کل جو بچہ یتیم تھا آج بالغ ہو کر خوشحال ہو گیا ہے تو وہ مستحق نہ رہا اور دوسرے کئی بچے یتیم ہو گئے لہٰذا وہ اب مستحق ہوئے یہی حال مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔ ایسی صورت میں وہ مال وقف قرار پایا جسے حاکمِ وقت حاجتمندوں اور دیگر مستحقین میں تقسیم کرتا ہے۔ مالِ فیئی کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ قرآن وسنت کے عین مطابق تھا۔

حیرت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم کا الزام لگانے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ باغ فدک جو کہ مالِ فیئی تھا قرآن پاک کے مطابق اس کے مستحقین میں یتیم ، مسکین اور مسافر بھی شامل تھے۔ لہٰذا اگر وہ تمام مال حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیتے تو یہ یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کا حق مارنا ہوتا جو کہ خود ظلم ہے۔ اس ظلم سے بچنے کیلئے حضرت سیدنا صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن وسنت کا راستہ اختیار کیا تا کہ کسی حق دار کی حق تلفی نہ ہو مگر افسوس کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اُلٹا ظلم کا الزام لگایا جاتا ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ابوداؤد شریف میں بروایت مغیرہ بن شعبہ حضرت [1] عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فدک طلب کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عطا نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵۶)

اس سے پہلے علامہ شہاب الدین حموی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب معجم البلدان کے حوالے سے یہی روایت پیش کی جا چکی ہے جس میں ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطالبہ پر رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ نہ تمہارے لئے فدک کو ہبہ کرنے کا سوال کرنا جائز ہے اور نہ میرے لئے اس کو دینا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اگر حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کر دیتے تو باقی مستحقین کی حق تلفی ہوتی جو کہ ظلم ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ آپ کسی پر ظلم کریں۔ غرضیکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنتِ رسول کو قائم رکھنے اور ظلم سے بچنے کیلئے فدک حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے نہیں کیا مگر افسوس کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو الٹا ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

اس تمہیدی مقدمہ کے بعد میں تفصیلی جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

---

[1] اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ منقطع ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی صحابی کا ذکر کئے بغیر براہ راست یہ بات حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انقطاع اگر اول سند سے ہو تو اس حدیث کو معلق کہتے ہیں (مقدمہ مشکوٰۃ) یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ثابت تھی اسلئے اس کو معلق کر کے ذکر کیا۔ جب امام بخاری کی تعلیقات مقبول ہیں اور صحیح حدیث کے درجے میں ہیں۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیق کیوں مقبول اور صحیح نہیں ۱۲ منہ۔

## تفصیلی جواب:۔

اس اعتراض کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اپنی تینوں شکلوں کیساتھ بوجوہ ذیل باطل اور مردود ہے۔

# باغ فدک میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی

اولاً اسلئے کہ باغ فدک میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی کیونکہ باغ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کو بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا اور جو علاقہ بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فیئ ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ مالِ فیٔ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہٰذا ثابت ہوگیا کہ فدک میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی تھی۔ لہٰذا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض کہ باغ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی میراث میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ملنا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ دیکر ان پر ظلم کیا باطل ہوگیا۔ رہا یہ کہ فدک مالِ فیئ ہے تو اس پر علماءِ شیعہ کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

# علماءِ شیعہ کی تصریحات

ابوعلی فضل بن حسن طبرسی نے لکھا ہے:

قال ابن عباس نزل قوله مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى وهم قريظة وبنو النضير وهما بالمدينة و فدك وهى من المدينة على ثلثة اميال وخيبر و قرى عرينة و ينبع جعلها الله لرسوله يحكم فيها ما اراد واخبر انها كلها له (مجمع البیان ج ۹ ص ۲۶۰، مطبوعہ تہران۔)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی آیت "مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى" کفار کی بستیوں کے متعلق

نازل ہوئی ہے، یہ بستیاں قریظہ اور بنو النضیر کی بستیاں ہیں جو مدینہ میں تھیں
اور فدک جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور خیبر ہے اور عُرینہ کی بستی
اور ینبع ہے۔ ان سب بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
والہٖ وسلم کے لئے کر دیا۔ آپ ان میں جو چاہتے وہ تصرف فرماتے اور اللہ
تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ یہ تمام بستیاں آپ کے تصرف میں ہیں۔

محمد حسین طباطبائی نے لکھا ہے:

وفی التهذیب باسناده عن الحلبی عن ابی عبدالله علیه السلام قال ماافاء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه الایة قال الفیئی ما کان من اموال لم یکن فیها هراقة دم او قتل (المیزان ج۹ ص ۲۴۱، مطبوعه تهران)

ترجمہ: تہذیب الاحکام میں اپنی سند کیساتھ حلبی سے روایت ہے کہ امام ابو عبداللہ علیہ السلام نے قرآن مجید کی اس آیت "ماافاء اللہ علی رسولہ من اھل القری" کی تفسیر میں فرمایا: فیئی ان اموال کو کہتے ہیں جن میں نہ جنگ ہوئی ہو نہ قتل۔

محمد جواد مغنیہ نے لکھا ہے:۔

ومعنی الفیئی فی اللغة الرجوع و فی اصطلاح الفقهاء ماا خذ من الکفار من غیر قتال (فقه الامام جعفر الصادق ج۲ ص ۲۷۶، مطبوعه دار العلم بیروت)

ترجمہ: لغت میں فیئی کا معنی لوٹانا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کا معنیٰ ہے، جو چیز کفار سے بغیر جنگ کے حاصل کی گئی ہو۔

## علماءِ شیعہ کی تصریحات کا نتیجہ اور فیئی کے احکام

علماء شیعہ کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ فیئی اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہو خواہ وہ مال زمین ہو یا باغ ہو یا کوئی دوسری چیز ہو، جو مال اور جو چیز کفار سے بغیر جنگ کے حاصل کی گئی ہو وہ فیئی ہے۔ اور فدک بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کو بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا لہٰذا وہ بھی فیئی تھا۔ اب دیکھیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فیئی کے کیا احکام نازل فرمائے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ (اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی) وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ (اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی) وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۚ (سورۃ حشر آیت ۷-۸-۹)

ترجمہ: جو مال اللہ تعالیٰ بستیوں کے رہنے والوں سے اپنے رسول کی طرف پھیر کر لایا ہے تو وہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے اور قرابت والوں (یعنی حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے رشتہ داروں) اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولتمندوں کے درمیان (یہاں تک کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے) (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کیلئے ہے جنہیں (زبردستی) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں اور ان کے مالوں سے (یعنی جائیدادوں سے) (یہ نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور اس مال میں ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت (مدینہ) میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے یہ محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے (یعنی مہاجرین و انصار کے بعد جو مسلمان قیامت تک آئیں گے) جو کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے۔

سورۃ حشر کی ان آیاتِ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مالِ فیئی کی آمدنی میں پہلا حق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا نام بطور تبرک حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی رفعتِ شان کو ظاہر کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل علیحدہ حصہ ہے جو

بیت اللہ شریف پر خرچ کیا جائیگا۔ وہاں ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد پر خرچ ہوگا لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ مستقل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بنی نضیر کے اموال بغیر لشکر کشی کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو عطا فرمائے تھے، پس یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کیلئے ایک سال کا خرچہ رکھ لیتے بقیہ آمدنی جہاد کیلئے اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کیلئے خرچ کرتے۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ازتفسیر روح المعانی)

دوسرے حقدار حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں ان سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ تیسرے حقدار یتامی ہیں یعنی امت کے یتیموں کو بھی بلا امتیاز مالِ فیئی سے حصہ دیا جائیگا۔ چوتھے حقدار مساکین ہیں۔ پانچویں حقدار وہ مسافر ہیں جن کا زادِ راہ ختم ہوگیا ہو اور وہ امداد کے مستحق ہوں۔ چھٹے حقدار فقراء مہاجرین ہیں، ساتویں حقدار انصار صحابہ ہیں اور آٹھویں حقدار بعد میں آنے والے مسلمان ہیں۔

الحاصل ان آیاتِ مقدسہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مالِ فیئی کی آمدنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، فقراء مہاجرین، انصار صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کی جائے گی۔ اور جب علماءِ شیعہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوگیا کہ باغِ فدک بھی مالِ فیئی تھا تو قرآن مجید کے مطابق باغِ فدک کی آمدنی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور فقراء مہاجرین، انصار صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کیا جانا ضروری تھا۔ اور جس جائیداد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مہاجرین، انصار اور بعد کے مسلمانوں کا بھی حصہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کیسے جاری ہوسکتی ہے؟

وراثت اس جائیداد میں جاری ہوتی ہے جو کسی شخص کی شخصی ملکیت ہو۔ اور سورۃ حشر کی ان آیات سے واضح ہوگیا کہ باغِ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شخصی ملکیت نہیں تھا، بلکہ اس کی آمدنی عہدِ رسالت کے مستحق مسلمانوں سے لے کر بعد میں آنے

والے مسلمانوں تک کیلئے وقف تھی اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اگر اللہ تعالی باغ فدک کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی شخصی ملکیت میں دے دیتا تب اس میں وراثت کا سوال اُٹھ سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالی نے فدک کو شخصی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرما کر

"کی لایکون دولۃً بین الاغنیاءِ منکم"

(تاکہ یہ مال تمہارے دولت مند لوگوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے) فدک کے کسی کی شخصی ملکیت ہونے کی نفی کر دی۔

اگر علماء شیعہ کے قول کے مطابق باغ فدک وراثت میں اہل بیت کی طرف منتقل کر دیا جاتا تو یہ جائیداد نسل در نسل اہل بیت کے دولت مندوں میں گردش کرتی رہتی اور یہ قطعاً صریح قرآن کے خلاف ہوتا۔

اللہ تعالی نے باغ فدک کو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی شخصی ملکیت میں نہیں دیا بلکہ اس کے خرچ کے مصارف کو متعین کر دیا تاکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم، آپ کے قرابت داروں اور اس دور کے اور بعد کے عام مستحق مسلمانوں کی ضروریات کیلئے خرچ ہوتا رہے۔ اسی وجہ سے اس میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی وراثت جاری نہیں کی اور اس کی آمدنی کو ازواج مطہرات، اہل بیت اور دیگر مستحق مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا اور فرمایا: میں اس کی آمدنی کو اُنہی جگہوں پر خرچ کرتا رہوں گا جن جگہوں پر اس کی آمدنی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم خرچ کرتے تھے اور میں اس خرچ میں سے کسی چیز کو کم نہیں کروں گا، اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے اس خرچ میں سے کسی چیز کو کم کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۵)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم نے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے طریقۂ کار کو برقرار رکھا اور باغ فدک بدستور قومی ملکیت میں رہا اور اس کی آمدنی ازواج مطہرات، اہل بیت اور دیگر مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہوتی رہی۔

خلاصہ یہ کہ باغ فدک مالِ فیئی تھا اور فیئی از روئے قرآن وقف ہوتا ہے اور

وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اسلئے باغ فدک میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی تھی اسی وجہ سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بجہت وراثت باغ فدک کے مطالبہ پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا۔ اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بھی تھی جس کے پیشِ نظر آپ نے یہ فیصلہ فرمایا لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فیصلہ بالکل قرآن وحدیث کے مطابق تھا اور حق تھا۔ اس میں ظلم وزیادتی کا تصور کرنا خود ظلم اور زیادتی اور حرام ہے اور ایسا تصور کرنے والا اور اس تصور کی بنیاد پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم کی تہمت لگانے والا فاسق، بدعتی اور ملعون ہے۔

# ایک ضمنی اعتراض کا جواب

رہا یہ اعتراض کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث جو پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ یہ خبر واحد اور ظنی ہے اور آیت میراث میں صاف تصریح ہے کہ باپ کے ترکہ سے بیٹی کو ایک حصہ اور بیٹے کو دو حصے ملتے ہیں۔ خبر واحد نصِ قرآن کے معارض نہیں ہوسکتی۔ تو امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے الصواعق المحرقہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال خبر واحد سے نہیں تھا بلکہ اس حدیث سے تھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے خود سنی تھی اور وہ ان کے نزدیک خبرِ متواتر کی طرح قطعی تھی یعنی ان کیلئے یہ حدیث اسی طرح قطعی تھی جیسے احکامِ میراث کی آیات قطعی ہیں اور قرائن کی بناء پر ان کے نزدیک وہ معنی بھی قطعی تھا جو انہوں نے سمجھا تھا۔ لہٰذا اس حدیث کی بناء پر آیتِ مبارکہ میں تخصیص کی جاسکتی ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احکام میراث کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس حدیث کی بنیاد پر انکی یہ وضاحت کی ہے کہ وہ اُمتیوں کے ترکہ سے تعلق رکھتے ہیں انبیاءِ کرام کے ترکہ سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ احکام میراث میں صرف اس حدیث کی وجہ سے تخصیص

نہیں ہوئی بلکہ ان آیات کے عمومی حکم میں اور بھی کئی چیزیں شامل نہیں ہیں۔ دیکھئے! کافر کی اولاد باپ کی وارث نہیں ہوتی۔ غلام باپ کا وارث نہیں ہوتا قاتل باپ کا وارث نہیں ہوتا۔ اور یہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب عام میں ایک دفعہ تخصیص ہو جائے تو دوبارہ بھی اس میں تخصیص ہو سکتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال یہ کہہ دیا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احکامِ میراث کی مخالفت کی اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغِ فدک نہ دیکر ان پر ظلم کیا تو یہی اعتراض حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لوٹ آئیگا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں اس ظلم کو کیوں برقرار رکھا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کو باغِ فدک کا وارث کیوں نہیں بنایا؟ تو اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ اس اعتراض کو ہی غلط تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ الزام ہی جھوٹا ہے۔

## حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے۔

اس حدیث کے راوی اکیلے صدیق اکبر ہی نہیں بلکہ اور لوگ بھی ہیں۔ کتب صحاح ملاحظہ ہوں۔ اسی وجہ سے یہ حدیث مجتمع علیہا ہے۔ امہات المومنین میں سے کسی نے اسے سننے کے بعد مطالبۂ میراث پر اصرار نہیں کیا اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچا نے۔ اور تمام خلفاءِ اربعہ کے عہد میں اسی حدیث پر عمل رہا حتیٰ کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں اس میں ذرہ بھر تغیر نہیں کیا۔ تاہم بالفرض اگر اس کے راوی صرف صدیق اکبر ہی ہوں تو بھی یہ حدیث بوجہ سامعین میں سے کسی کے انکار نہ کرنے کے یعنی بباعث اجماع سکوتی کے حدِ تواتر اور قطعیت تک پہنچتی ہے۔ اور آیت کا مفہوم کہ اس میں عام مخصوص البعض ہے ظنی ٹھہرا۔ کیونکہ اس کے عموم سے متوفی کے قاتل اور کافر رشتہ دار اور مملوک غلام کو بھی ایسے دلائل کی بناء پر جو حدیث نحن معاشر الانبیاء سے کم وزنی ہیں مخصوص کیا گیا ہے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ظنی دلیل قطعی دلیل سے معارضہ اور مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ ص ۴۲)

# ایک دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

ایک سوال یہ بھی اُٹھایا جاتا ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ وہ حدیث جس میں ہے کہ انبیاء کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس آیت کے معارض ہے۔ لہٰذا وہ حدیث مقبول نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اُنیس ۱۹ بھائی تھے۔ ان کو بھی وراثت ملتی، صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ ملتی۔ اس جگہ علم، نبوت اور حکومت وغیرہ امور کا ورثہ مراد ہے۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (الایۃ)

مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔ اس میں بھی علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ کیونکہ کسی عالم نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑے مالدار تھے اسلئے انہوں نے وراثت کا مطالبہ کیا تھا۔ (ترجمہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۵۸، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور پاکستان)

# باغ فدک کے ھبہ کا دعویٰ باطل ہے

ثانیاً اس لئے کہ یہ دعویٰ محض شیعہ مذہب والوں کا دعویٰ ہی ہے کہ باغ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا اس پر ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے بلکہ متعدد قوی وجوہ سے ان کا یہ دعویٰ باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ خود علماءِ شیعہ صراحۃً لکھ چکے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باغ فدک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی وراثت سے لینے کا مطالبہ کیا تھا اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جو کسی کو ھبہ نہ کیا گیا ہو۔ لہٰذا مطالبہ میراث سے ھبہ کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ ثانیاً اسلئے کہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ دعویٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے سامنے بھی کیا تھا۔ مگر اس پر سوائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ام ایمن کے کوئی گواہ پیش نہیں کر سکیں پس گواہی کا نصاب پورا نہیں ہوا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر ان کو واپس بھیج دیا کہ اے بنت رسول دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا گواہی مقبول نہیں ہوتی (تفسیر کبیر وغیرہ)

ثالثاً اس لئے کہ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ ان کو باغ فدک ھبہ کر دیں مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے انکار فرمایا۔

رابعاً اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے سات ہجری میں خیبر فتح کیا اس کے بعد فدک آپ کے قبضہ اور تصرف میں آیا اس زمانہ میں اشاعتِ اسلام، مسلمانوں کی حفاظت، مہمانوں اور ایلچیوں کے ٹھرانے اور جہاد کی تیاری کیلئے مال و دولت کی اشد ضرورت تھی اور مسلمان سخت تنگی اور افلاس میں مبتلا تھے اسلئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی سیرت اور آپ کا کردار اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کہا جائے کہ آپ نے جہاد کے ساز و سامان لینے کی فکر اور مسلمانوں کی ضروریات کا خیال کئے بغیر اتنا بڑا مال اپنی ایک بیٹی کو بخش دیا حالانکہ اس میں دوسرے مسلمانوں کا بھی حق تھا۔

خامساً اس لئے کہ اس سلسلہ میں حافظ نور الدین ھیثمی نے مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے جو حدیث پیش کی ہے انہوں نے خود اس کے بعض راویوں کو ضعیف اور متروک قرار دیا ہے تو قرآن و سنت کے مذکورہ بالا دلائل کے مقابلے میں ایسی ضعیف حدیث سے استدلال کہاں درست ہو سکتا ہے؟

# باغِ فدک کی وصیت کا دعویٰ غیر ثابت اور باطل ہے

ثالثاً اسلئے کہ وصیت کا دعویٰ بھی غیر ثابت اور باطل ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اعتراض کی تیسری شکل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

اس طعن کا جواب چند وجہ سے ہے۔ اول یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ وصیت کی ہو اس دعویٰ کے

ثابت ہونے کی شہادت اہل سنت یا شیعہ مذہب والوں کی معتبر کتابوں میں سے کسی کتاب سے ثبوت کو پہنچ جائے تو اس کے بعد اس اعتراض کا جواب طلب کرنا چاہئے۔

دوم یہ کہ سنی اور شیعہ مذہب والوں کا اس پر اجماع ہے کہ وصیت میراث کی اُخت (بہن) ہے پس جس مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اس میں وصیت کس طرح جاری ہوگی؟ کیونکہ وصیت. اور میراث دونوں مرنے کے بعد ملک کے (اصل مالک سے موصیٰ لہ اور وارث کی طرف) منتقل ہونے کا نام ہیں۔ اور مرنے کے بعد انبیاء کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے بلکہ ان کا مال خدا کا مال ہو جاتا ہے اور بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے وقت اپنی ملک نہیں دیکھتے پس جو چیز ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس کو خدا سے مانگی ہوئی چیز جانتے ہیں اور اس سے نفع اٹھاتے ہیں اسی وجہ سے ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور نہ قرض ادا کرنا ان کے ترکہ سے واجب ہوتا ہے۔ اور عاریت (مانگی ہوئی چیز) کے مال میں بداہۃً وصیت کرنا اور میراث دینا نافذ نہیں ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۲۷۹ مترجما مطبوعہ کتب خانہ اشاعتِ اسلام مٹیا محل دہلی)

## حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ادب ضروری ہے۔

بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّي فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِي وَفِي رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا (مشکوۃ ج ۲ ص ۵٦۸)

ترجمہ: فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا۔ اور ایک روایت میں ہے جو چیز اس کو قلق میں ڈالتی ہے وہ مجھ کو قلق میں ڈالتی ہے اور جو چیز اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھ کو ایذا دیتی ہے۔

اس حدیث کے تحت بعض اکابرین اہلسنت حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گالی دینے والے کو کافر تک لکھ گئے ہیں (دیکھو ارشاد الساری شرح صحیح بخاری) اگرچہ انکا قول تغلیظ پر محمول ہے اسلئے اس پر فتوی نہیں دیا جائیگا مگر اکابرین اہلِ

سنت کا اتنی سخت بات لکھ جانا کیا کوئی معمولی چیز ہے؟ ہرگز نہیں لہٰذا حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ادب کا لحاظ انتہائی ضروری ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ادب میں یہ بھی داخل ہے کہ آپس کی گفتگو میں، نجی محافل میں بلکہ برسرِ منبر عوام الناس کے سامنے باغ فدک کے مسئلہ میں بھی آپ کی طرف خطاء کی نسبت نہ کی جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب باغ فدک کا مطالبہ کر رہی تھیں تو اپنے اجتہاد پر تھیں۔ البتہ اگر کسی عالم نے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے یا شیعہ مذہب والوں کو جواب دیتے ہوئے ضرورتاً آپ کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت یا مطلق خطا جو خطاء اجتہادی کے معنی میں ہے اس کی نسبت کر دی تو اس وجہ سے وہ آپ کا بے ادب اور گستاخ نہیں کہلائے گا، اس مسئلہ کی تحقیق آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

# مولوی چمن زمان کی کتاب پر مختصر تبصرہ اور مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کی وضاحت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

مولوی چمن زمان کا نام میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔ حال ہی میں موصوف نے ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کے خلاف "تنزیہ مکانۃ الزہراء عن وصمۃ الخطاء" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کے سرورق پر لکھا ہے۔ مؤلف: محقق زمان مفتی محمد چمن زمان۔ اس کتاب کو انٹرنیٹ پر شائع کیا گیا ہے۔ میں نے اس کی کاپی نکلوا کر جب اس کا مطالعہ کیا تو کئی خامیاں دیکھیں جن کو اپنے مقام پر بقدر کفایت مختصراً بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کتاب کی تقدیم مولوی کوکب نورانی نے چار صفحوں میں لکھی ہے: اس میں مولوی کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب نے لکھا ہے: ہم مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کے پابند اور اسی پر کاربند ہیں۔ (ملخصاً ص ۴)

لہٰذا ہمیں امید ہے کہ جب ہم دلائل کی دنیا میں بات کرتے ہوئے اپنا مؤقف صحابہ کرام سمیت کئی جلیل القدر اکابرینِ اہلِ سنت سے ثابت کر دیں گے تو حق پرستی کا

ثبوت دیتے ہوئے یہ لوگ ہم سے اتفاق کرلیں گے۔ ورنہ مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت پر کاربند رہنے کا کوئی معنیٰ نہیں کیونکہ اس صورت میں ہم لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ افسوس۔

ایک ہی شوخی میں کھو دیئے وہ لوگ تم نے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

مولوی چمن زمان کی جناب میں گزارش ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی (سورۃ مائدہ آیت ۸)**

ترجمہ: اور تمہیں ہرگز نہ ابھارے کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہی تقوٰی کے زیادہ قریب ہے۔

کاش کہ مولوی چمن زمان یہ کتاب لکھنے سے پہلے اس آیت کے مفہوم پر ہی غور کر لیتے۔ بدگمانی کی بنیاد اور منطق کے زور پر خانہ ساز مفروضات گھڑ کر کسی پر ضال، مضل اور منہج اہلِ سنت سے خارج ہونے کا فتوی لگانا نہ صرف فتوی بلکہ اس پر لزوم کفر کا دعوی کرنا کیا یہی انصاف ہے؟ دلائل حقہ کی بنیاد پر حق کو ظاہر کر دینا تحقیق کہلاتا ہے اور جناب اس سے کوسوں دور ہیں پھر بھی محقق ہونے کا دعوی ہے۔ فیاللعجب

## میری غرض محض اصلاح اور سنی علماء کے انتشار کو ختم کرنا ہے۔

قارئین کرام پر واضح رہے کہ ڈاکٹر جلالی کے ایک سنی عالم اور ہمارے مسلک کے خادم ہونے کی وجہ سے میں ان کی طرف سے دفاع کر رہا ہوں۔ میں نہ ان کا ایسا حامی ہوں کہ ان کی ہر بات کو صحیح کہوں اور نہ ہی انکے مخالفوں میں شامل ہوں بلکہ تمام سنی علماء و مشائخ سے تہہ دل سے محبت رکھتا ہوں۔ اس تحریر سے میری غرض محض اصلاح اور اہلِ سنت کے باہمی تنازع کو ختم کر کے ان کے پیار و محبت کے رشتے کو دوبارہ جوڑنا اور ان کے افتراق و انتشار کو ختم کرنا ہے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ ڈاکٹر جلالی اور دوسرے علماء کی ہر بات کو انصاف کے ترازو میں رکھ کر تولوں گا۔ جس کی بات میں مجھے کمی بیشی نظر آئیگی میں اس کو

تنبیہ کردوں گا کسی بڑی شخصیت کو اگر کوفت پہنچے تو مجھے اپنے اسلوب بیان اور طرز تحریر کی وجہ سے معذور رکھے۔ ہاں اگر کسی کا کوئی سوال ہو تو اس کے جواب کیلئے میں حاضرِ خدمت رہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب میں تنبیہات کے عنوان سے مولوی چمن زمان کی کتاب پر مختصر تبصرہ اور مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کی وضاحت شروع کرتا ہوں، وباللہ التوفیق۔

## تنبیہ نمبر۱:

لفظ کلام اردو میں مذکر استعمال ہوتا ہے چنانچہ اردو لغت کی مشہور کتاب "اظہر اللغات (جدید) ص ۵۹۷ میں ہے: کلام (ع - مذ) بات کرنا، دو کلموں کا مجموعہ۔ مگر مولوی چمن زمان زمان نے اپنی کتاب میں اسکو جگہ جگہ مؤنث استعمال کیا ہے۔ یہ محقق زمان کی اردو لغت کی فاش غلطی ہے۔

## تنبیہ نمبر۲:

قارئین کرام! انصاف کی بات یہ ہے کہ مولوی چمن زمان زمان کے فتوٰی کی بنیاد (۱) ڈاکٹر جلالی پر بدگمانی (۲) منطق کے زور پر کچھ فرضی باتیں گھڑنے۔ (۳) اوران کیساتھ کچھ حقائق ملانے پر ہے اسلئے یہ فتوٰی قرآن وسنت کے خلاف، فقہائے کرام کے طریقہ کے برعکس انتہائی غلط فتوی ہے۔

میرے اس دعوٰی کی دلیل درج ذیل اُمور میں غور کرنے سے واضح ہوگی۔

## اوّل:

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۷ پر امرِ سابع کے تحت یہ عنوان قائم کر کے" انتہائی قبیح انداز میں، ڈاکٹر جلالی کے دو خطابات سے قابلِ گرفت الفاظ لئے ہیں۔ چنانچہ مولوی چمن زمان زمان خود لکھتے ہیں۔ ایک خطاب میں کہا:

لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ نے اگر یہ دلیل پیش کی تھی تو پھر بھی معصوم نہیں تھی، غلطی ہوگئی" دوسرے خطاب میں انداز زیادہ نامناسب تھا۔

اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی گفتگو کا خودساختہ مطلب بیان کرتے ہوئے کہا۔

"یعنی یہ فرمایا کہ مسئلہ باغ فدک میں یہ روافض تم دلیل نہ بناؤ کہ معصوم تھیں تو مانگنا ہی حق کی دلیل ہے۔ فرمایا کہ نہیں، خطا کا امکان تھا۔ اور خطا پر تھیں، جب مانگ رہی تھیں خطا پر تھیں"

بہر حال خطیب مذکور کے اسلوب گفتگو نے اس بے ادبی کے ثقل میں مزید اضافہ کیا۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ انتہیٰ بلفظہٖ (ص ۷۵-۷۶)

قارئین کرام! للہ انصاف۔ آپ لوگ اپنے ضمیر ہی سے پوچھ کر بتائیں کہ مولوی چمن زمان نے جن گیارہ باتوں کی بنیاد پر ڈاکٹر جلالی صاحب پر فتوٰی لگایا وہ گیارہ باتیں اس کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:۔

(۱) جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی جانب (۲) مخصوص موقع سے متعلق (۳) بطور مقابلہ (۴) جانب مقابل کا دفاع کرتے ہوئے۔ (۵) مجمع عام میں۔ (۶) برسرِ منبر (۷) انتہائی بھونڈے انداز میں۔ (۸) بلا قید (۹) خلاف واقع (۱۰) وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا۔ (۱۱) تکرار کیا۔ انتہی (کتاب مذکورہ ص ۸-۹)

ان میں سے سب سے بھاری لفظ زیرِ بحث لفظ ہے یا نہیں؟ یقیناً آپ کا ضمیر یہی فیصلہ کرے گا کہ واقعی یہی لفظ سب سے بھاری ہے جس کو مولوی چمن زمان کہیں "انتہائی قبیح انداز میں" لکھتا ہے اور کہیں "انتہائی بھونڈے انداز میں" دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ تو اب آپ بتائیں کہ آپ کا ضمیر کیا فیصلہ کرتا ہے کہ ڈاکٹر جلالی صاحب کی جن دو عبارتوں سے مولوی چمن زمان نے یہ بات نکالی ہے کیا واقعی ان میں انتہائی قبیح اور بھونڈا انداز ہے، یا یہ ڈاکٹر جلالی پر مولوی چمن زمان کی بدگمانی اور بہتان ہے۔ نیز مولوی چمن زمان بتائے کہ ان دونوں میں کونسا لفظ انتہائی قبیح انداز پر دلالت کر رہا ہے؟

پہلی عبارت کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

"معصوم نہیں تھی غلطی ہو گئی"

کیا یہی انتہائی قبیح انداز ہے؟ شرم باید کرد

دوسرے خطاب کے بارے میں مولوی چمن زمان خود لکھتا ہے:۔

دوسرے خطاب میں انداز زیادہ نامناسب تھا (کتاب مذکور ص ۷۵)

کیا زیادہ نامناسب انداز ''اور انتہائی قبیح انداز '' مولوی چمن زمان کے نزدیک ایک ہی معنی میں ہیں؟ اگر ایک ہی معنی میں ہیں تو وہ معنی لغت کی کونسی کتاب میں ہے؟ حوالہ پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ قیامت تک حوالہ پیش نہیں کر سکیں گے لہٰذا ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ اپنی بات پر قائم نہ رہنا جھوٹے کی نشانی ہے۔

عزیز من! شریعت کے فتوے بدگمانی کی بنیاد پر نہیں لکھے جاتے اور نہ ہی ایسا فتوی لکھنے کا حق کسی مفتی کو حاصل ہے۔ میں نے دوسرے خطاب کے یہ الفاظ خود سنے ہیں، نہ جذبات میں اضافہ تھا، نہ انداز بہت جارحانہ، صرف لفظ ''خطا پر تھیں'' کا تکرار ہو گیا۔ اس کو ''انتہائی قبیح انداز '' کہنا کہاں کا انصاف ہے؟

## دوم:۔

مولوی چمن زمان نے جن گیارہ باتوں پر اپنے فتوی کی بنیاد رکھی ہے ان میں سے ساتویں بات جو سب سے بھاری ہے اس کی حقیقت تو قارئین کے سامنے آگئی ہے۔ باقی دس باتوں میں سے تیسری، چوتھی اور نویں بات غلط، بدگمانی کی بنیاد اور منطق کے زور پر محض فرضی باتیں ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ سراسر خلاف واقع اور جھوٹ ہیں۔

بدگمانی کی بنیاد پر جھوٹی باتیں گھڑ کر جھوٹے مفروضے قائم کرنا اور پھر ان پر حکم شرعی کی بنیاد رکھ کر فتوی لکھنا مولوی چمن زمان جیسے مفتی کا کام ہو سکتا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

خوف خدا اور صحیح سوچ رکھے والے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا یہ فرمان عمل کیلئے کافی ہے کہ فرمایا:

**اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۶)**

تم بدگمانی سے بچو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

باقی سات باتیں اگرچہ واقع کے مطابق اور حقیقت پر مبنی ہیں مگر ان جھوٹی باتوں کے مل جانے کی وجہ سے فتوی غلط ہو گیا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر مولوی چمن زمان صاحب ان حقائق کیساتھ جھوٹے مفروضے نہ ملاتے تو ایک سنی عالم دین پر متعدد وجوہ سے کفر لازم کرنا ممکن نہ ہوتا یہ تو سارا ان جھوٹے مفروضات کا ہی کمال ہے جس نے اتنا بڑا کام کر دکھایا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تیسری اور چوتھی بات یعنی (۱) " بطور مقابلہ (۲) جانبِ مقابلہ کا دفاع کرتے ہوئے " کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی نے معاذ اللہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں کر کے جانبِ مقابل یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کا دفاع کیا اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان کو گھٹایا اسلئے یہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے ادبی اور گستاخی ہوئی اور بعض فقہاء کے مطابق حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کا گستاخ کافر ہے اسلئے ڈاکٹر جلالی پر کفر لازم ہوا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی نے عدالت صدیق اکبر کے منکر ایک رافضی شیعہ کے مقابلہ میں یہ خطابات کئے تھے۔ اور وہ رافضی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اسوجہ سے ظالم کہتا تھا کہ آپ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطالبہ پر ان کو باغِ فدک نہیں دیا۔ اور پھر اس رافضی شیعہ کے مقابلہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کا دفاع کیا۔ اور مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے ضمناً حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطاء اور غلطی کی نسبت ہوگئی۔ بعد میں انہوں نے وضاحت بھی کردی کہ اس لفظ غلطی اور خطاء سے ان کی مراد اجتہادی غلطی اور اجتہادی خطاء تھی جو نہ گناہ ہے اور نہ حقیقی غلطی بلکہ حدیث پاک میں اس پر اجر و ثواب کی بشارت ہے۔ اس لفظ خطاء اور لفظ غلطی کو حقیقی غلطی، گناہ، قصور اور ان کے تمام مترادفات کے معنی میں لینے سے سختی سے منع بھی کردیا۔ تو ایسے سنی عالم دین کو جو اہلِ بیت اور صحابۂ کرام کی شان کا دفاع کرنے والا اور ہر محاذ پر باطل کا مقابلہ کرنے والا ہو محتمل التاویل اور ذو معانی لفظ کے بولنے پر گستاخی کا فتویٰ لگا کر ضال مضل اور خارج از منہج اہلِ سنت قرار دینا اور اس کی جائز تاویل کی کوئی پرواہ نہ کرنا بلکہ بدگمانی کی بنیاد پر اس کے کلام میں خانہ ساز مفروضے گھڑ کر اس کو غلط معنی پہنانا اور پھر اس کی بنیاد پر اس پر متعدد وجوہ سے کفر لازم کرنا کتنا بڑا ظلم اور زیادتی ہے۔

## سوم:۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ کفر و ضلالت کے مسائل کی بنیاد فقہاءِ کرام نے مسلمان کیساتھ حسنِ ظن پر رکھی ہے اور ایسے مسائل میں مسلمان پر بدگمانی کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔
قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ کی رو سے مؤمن کے حق میں بدگمانی حرام ہے۔ فقہاءِ کرام نے بھی بالخصوص اس قسم کے مسائل میں مؤمن کیلئے اساءۃِ ظن کرنا (یعنی مؤمن پر بدگمانی کرنا) ناجائز قرار دیا ہے۔ (قال اللہ تعالیٰ)

**یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔**

اے ایمان والو اکثیر گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں (سورۃ حجرات آیت ۱۲)

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم نور مجسم فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

**اِیَّاکُمْ وَ الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْث (رواہ الشیخان)**

بدگمانی سے دور رہو۔ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:۔

**اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا (رواہ مسلم)**

تو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دل سے کلمہ) کہا ہے یا نہیں۔

سیدی عبد الغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں ناقل ہیں۔

**قال الامام سیدی احمد زروق انما ینشاء الظن الخبیث عن القلب الخبیث**

خبیث گمان صرف خبیث دل میں پیدا ہوتا ہے۔

پاک دلوں میں ناپاک گمان کی گنجائش نہیں ہوتی۔ شرح وہبانیہ و در مختار وغیرہما میں اس مسئلہ کے ذیل میں ہے:

**لانا لا نسیء الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بهذا النحر**

ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعلِ ذبح

کے ذریعے کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

ردالمحتار ج ۵ ص ۲۱۸ میں اس کے تحت ہے۔

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم

یعنی تقرب علیٰ وجہ العبادۃ اسلئے کہ تقرب علیٰ وجہ العبادت ہی کفر کا موجب ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔(مقالات کاظمی ج ۲ ص ۳۸۲_۳۸۳)

**چہارم:**

بدگمانی اور جھوٹ کی بنیاد پر قائم کردہ مولوی چمن زمان کے مفروضوں میں سے ایک مفروضہ جس کو نویں نمبر پر رکھتے ہوئے مولوی چمن زمان نے لکھا ہے۔" (۹) خلاف واقع " پھر کتاب کے صفحہ نمبر ۸۱ پر حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب وقوع خطا کی نسبت کو خلاف واقع اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات والا پر افتراء قرار دیتے ہوئے یہ دعوٰی کر دیا کہ مطالبہ فدک میں حضرت سیدۃ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی طرح کی خطا سرزد ہوئی ہی نہیں یعنی اجتہادی خطاء کی بھی نفی کر دی پھر اس دعوٰی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

تفصیل مقام یہ ہے کہ:۔

ہر عام وخاص جانتا تھا اور جانتا ہے کہ والد کے ترکہ سے بیٹی کو حصہ ملتا ہے اور اس قسم کے مسائل میں نہ اجتہاد کی حاجت اور نہ ہی ان سے اجتہاد کا تعلق۔ آج بھی یہ مسئلہ واضحات سے ہے اور دورِ علم وعرفان میں تو بطریق اولیٰ۔ رہی بات ان فرامینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو "عدم توریثِ انبیاء" پر ناطق ہیں، وہ تا وقتِ مطالبہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچے ہی نہیں تھے۔ اور قبل از بلوغ خطاب مکلف معذور ہوتا ہے نہ بر غلط وخطا۔ الا آنکہ اس کی جانب سے تقصیر فی الطلب پائی جائے۔

(مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۸۱_۸۲)

## حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد ثابت ہے

میں کہتا ہوں، قطع نظر اس سے کہ وہ فرامین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو پہنچے تھے یا نہیں ایک دوسرے طریقہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد ثابت اور اس کا انکار مشکل ہے۔ کیونکہ اس کا انکار اس صحیح حدیث کا انکار ہے جس کو کئی اکابر محدثین اور دیگر محققین اہل سنت نے قبول کیا ہے اور اس کی وجہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو اعتراض لازم آتا ہے اس کی توجیہ کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بجہت میراث باغ فدک کے مطالبہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ناراض ہوئیں چنانچہ امام بخاری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں:۔

فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَتْ اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۵)

ترجمہ: پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا غضب ناک ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا حتی کہ وفات پا گئیں۔

اس حدیث کو اکابر محدثین میں سے امام خطابی اور علامہ کرمانی رحمہا اللہ نے قبول کر کے اس کی توجیہ کی ہے۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ان کے کلام کو برقرار رکھا ہے چنانچہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں.......... اس واقعے کا مشکل ترین پہلو حضرت فاطمۃ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ ہے کیونکہ اگر کہا جائے کہ انہیں اس سنت کا علم نہیں تھا تو یہ بعید ہے اور اگر کہا جائے کہ ہوسکتا ہے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اشکال پیدا ہوگا کہ حضرت ابوبکر سے حدیث سننے اور اس پر صحابہ کرام کی گواہی کے بعد کس طرح انہوں نے اس حدیث کو قبول نہ کیا؟ اور کیسے ناراض ہوئیں؟ اور اگر ناراضگی حدیث سننے سے پہلے تھی تو بعد میں ناراضگی کیوں ختم نہ کی؟ یہاں

تک کہ ناراضگی نے طول کھینچا اور آخری دم تک حضرت ابو بکر کو چھوڑے رکھا جیسے کہ حدیث میں ہے۔ علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں فرمایا: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ناراضگی بتقاضائے بشریت تھی جو بعد میں جاتی رہی۔ چھوڑ دینے سے مراد ملاقات سے طبعی انقباض اور کوفت ہے، وہ ترکِ تعلق مراد نہیں ہے جو حرام ہے۔ مثلاً سلام نہ کرنا وغیرہ (کرمانی) (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مترجم ج ۵ ص ۳۵۳۔۳۵۴ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور۔)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے نبراس میں اس حدیث کو قبول کر کے اس ناراضگی کے ازالہ کے متعلق لکھا ہے:۔

**وان ابابکر وقف علی باب فاطمۃ رضی اللہ عنہا حتی رضیت**
**(نبراس شرح شرح العقائد ص ۵۵۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)**

ترجمہ: اور بے شک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔

بحر العلوم علامہ عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو قبول کرتے ہوئے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہجران (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے جلنے کے چھوڑنے) کو ان کی لغزش قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

**وکذا یجوز علیہم الزلۃ وھی وقوعھم فی امر غیر مناسب لبرتبتھم من غیر تعمد کما وقع من سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنھا من ھجرانھا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم حین منعھا فدک من جھۃ المیراث ولاذنب فیہ (فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۸۸)**

ترجمہ: اسی طرح اہلِ بیت پر لغزش جائز ہے اور لغزش سے مراد ان کا بلا ارادہ ایسے معاملہ میں واقع ہو جانا ہے جو ان کے مرتبہ کے مناسب نہیں۔ جیسا کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے واقع ہوا کہ جب خلیفۂ رسول (حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کو میراث کی جہت سے باغِ فدک سے روکا ہے تو انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حاصل یہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ بغیر کسی سبب کے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزاہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غضب ناک ہوئیں اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حدیث رسول سنائی تھی تو یہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان سے بعید ہے۔ نیز اس صورت میں علامہ خطابی کے وہ تمام سوالات لوٹ آئیں گے جو اس پر انہوں نے وارد کئے ہیں پھر ان کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا یہی کہنا ان کی شان کے لائق ہے کہ ان کی ناراضگی اور ہجران کا سبب ان کا اجتہاد تھا یعنی وہ اپنے اجتہاد سے یہ سمجھتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ باغ فدک اس کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے برعکس حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے تمام ترکہ کو شامل ہے باغ فدک اس کے حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اسلئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغ فدک ان کو نہ دیا۔

پھر چونکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد قواعدِ شرع کے موافق تھا جیسا کہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

**فما فعل ابو بكر رضى الله عنه موافق لقواعد الشرع ولذلك لم يغيره على رضى الله عنه فى خلافته (نبراس شرح شرح العقائد ص ۵۵۰) مطبوعه مكتبه حقانيه پشاور پاكستان)**

ترجمہ: پس (اس معاملہ میں) جو کچھ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا وہ قواعدِ شرع کے موافق تھا اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس میں تبدیلی نہیں فرمائی (بلکہ جیسے تھا ویسے رہنے دیا)

اسلئے آپ کا اجتہاد مبنی بر حق تھا اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد مبنی بر خطا تھا۔ پھر اس خطاء اجتہادی پر قائم رہنا اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہجران کرنا (یعنی ملنے جلنے کو چھوڑ دینا) ان کی لغزش تھی جیسا کہ بحر العلوم علامہ

عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

غرضیکہ اگر ان کا اجتہاد مانع نہ ہوتا تو یقیناً وہ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو سنتے ہی اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیتیں اور فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیتیں جیسا کہ ازواجِ مطہرات نے کیا۔

مولوی چمن زمان کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ اجتہاد فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ان تک پہنچنے کے بعد معرضِ وجود میں آیا خواہ یہ فرمان ان تک پہلے پہنچا ہو یا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سننے کے بعد اس کا علم ہوا ہو۔ لہٰذا ان کا اجتہاد ثابت ہے اور مولوی چمن زمان کی تقریر کی بنیاد فاسد ہونے کی وجہ سے ساری تقریر بے کار ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَہُ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ ؕ

نیز مولوی چمن زمان کو حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لغزش کا واقع ہونا تسلیم ہے اسی وجہ سے اپنی کتاب کے ص ۲۱۰ سے ص ۲۱۴ تک بحر العلم علامہ عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کی فواتح الرحموت والی عبارت پر بحث کی اور اس لغزش کے وقوع میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ حالانکہ لغزش بھی خطا کی ایک قسم ہے۔ اور لغزش خطاء اجتہادی سے بڑھ کر خطا ہے کیونکہ خطاء اجتہادی میں اجر و ثواب کی بشارت ہے اور لغزش میں اجر و ثواب کی بشارت کہیں سے ثابت نہیں۔

پس جب ان حضرات کے نزدیک حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لغزش کا واقع ہونا ثابت ہے اور ان کو تسلیم ہے حالانکہ لغزش خطاء اجتہادی سے بڑھ کر خطاء ہے تو خطاء اجتہادی کو تسلیم کرنے میں کونسی چیز مانع ہے؟

## پنجم:۔

مولوی چمن زمان نے جن گیارہ باتوں پر اپنے فتوی کی بنیاد رکھی ہے ان میں سے یہ سات باتیں واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہیں۔

(۱) جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی جانب (۲) مخصوص موقع سے متعلق۔ (۳) مجمع عام میں۔ (۴) بر سرِ منبر (۵) بلا قید (۶) وقوعِ خطاء وغلطی کی نسبت کا (۷) تکرار کیا۔ (مولوی چمن زمان کی کتاب بلفظہ ص ۹)

لیکن ان میں سے چھٹی بات میں وقوع خطا کیساتھ لفظ ''غلطی'' کا اضافہ اپنی طرف سے کیا۔ کیونکہ ڈاکٹر جلالی کے متنازع فیہ خطاب میں لفظِ غلطی کا تکرار نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مولوی چمن زمان کی خیانت ہے، اس سے شاید وہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر جلالی کے دوسرے متنازع فیہ خطاب میں لفظ خطاء خطاء اجتہادی کے معنی میں نہیں بلکہ حقیقی غلطی کے معنی میں ہے لیکن یہ ان کے فہم کی کوتاہی یا بدیانتی ہے جیسا کہ اپنے مقام پر واضح کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ انتظار کریں۔

اب سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی نے جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی جانب، مخصوص موقع سے متعلق، مجمع عام میں، برسرِ منبر، بلا قید، وقوع خطا کی نسبت کا تکرار کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت کا تقاضا ہے کہ جب گمراہی پھیل رہی ہو اور حق کو باطل کیساتھ ملایا جا رہا ہو اور لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہے ہوں تو حق کے جاننے والے عالم پر حق کا اظہار واجب ہو جاتا ہے۔ اور حق کو چھپانا اس پر حرام ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
(سورۃ بقرہ آیت ۴۲)

ترجمہ: اور حق کو باطل کیساتھ نہ ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو۔

اس آیت کے تحت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

والایۃ دالۃ علی ان العالم بالحق یجب علیہ اظہارہ ویحرم علیہ کتمانہ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۸۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین الشریفین کانسی روڈ کوئٹہ پاکستان)

ترجمہ: اور آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حق کے جاننے والے (عالم) پر حق کو ظاہر کرنا واجب ہے اور اس پر حق کو چھپانا حرام ہے۔

ہم نے اس رسالہ کے دیباچہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ملفوظات حصہ چہارم ص ۳۳۵-۳۳۶ سے جو حدیث نقل کی ہے وہ اس

معنی میں واضح ہے۔ لہٰذا جب بعض رافضی باغ فدک کے مسئلہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برسرِ عام ظالم کہنے لگے اور انہوں نے یہ بات پھیلا دی کہ معاذ اللہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطالبہ پر ان کو باغ فدک نہ دیکر ان پر ظلم کیا۔

تو اس کا رد ضروری تھا۔ پھر چونکہ یہ بات برسرِ عام پھیلا دی گئی تھی اسلئے برسر منبر مجمع عام میں اس کا رد ضروری ہوا۔ ڈاکٹر جلالی جنہوں نے باطل کے مقابلے کیلئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا اس کے رد کیلئے میدانِ عمل میں آگئے اور خطابات کیذریعے اس کو رد کرنا شروع کر دیا۔

ان میں سے بعض ابتدائی خطابات میں مسئلہ کی وضاحت اور مخالفین کے رد کے دوران ضمناً حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطاء کی نسبت ہو گئی۔ بعد میں انہوں نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ اس سے میری مراد خطاء اجتہادی تھی۔ لیکن ایسے موقع پر حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بلا قید اجتہادی، مطلق خطاء کی نسبت تکرار کیساتھ کرنا نامناسب تھا۔ اسلئے یہ سراسر ان کی بے احتیاطی ہے۔

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی عظیم ہستی کے معاملہ میں بے احتیاطی بھی سخت غلطی[1] ہے لہٰذا میں بھی یہی کہوں گا کہ ان کو اس سے رجوع کرنا چاہئے۔ میں نے ایک ویڈیو کلپ میں بھی ان کو رجوع کا مشورہ دیا تھا۔

اگر وہ ان الفاظ میں رجوع کر لیں "میں نے اپنے بعض خطابات میں بے احتیاطی سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بلا قید مطلق خطاء کی نسبت کا جو تکرار کیا میں اس سے رجوع کرتا ہوں" تو انہیں بری الذمہ کر دینا چاہئے۔

## تنبیہ نمبر ۳:۔

مولوی چمن زمان نے ڈاکٹر جلالی پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ انہوں نے سنی علماء اور ساداتِ کرام کی توہین کی ہے اور فقہاءِ کرام نے اس کو کفر قرار دیا ہے۔

---

[1] کیونکہ اس سے مسلمانوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں جس سے نفرتیں پھیلتیں اور فتنے کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے والفتنة اشد من القتل (سورۃ بقرہ آیت ۱۹۱)
ترجمہ: اور فتنہ تو قتل سے بھی سخت ہے ۱۲ منہ

جواباً عرض ہے کہ فقہاءِ کرام نے اس کیساتھ یہ تصریح بھی کی ہے کہ عالمِ دین کی توہین عالمِ دین ہونے کی وجہ سے ہو تو کفر ہے۔ اسی طرح سید کی تحقیر بوجہ سیادت کفر ہے، سید کے بارے میں مولوی چمن زمان صاحب خود کتاب مذکور کے ص ۱۰۲ پر فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۳۳۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اور اس میں شک نہیں جو سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرے وہ مطلقاً کافر ہے انتہی۔

اور عالم دین کے بارے میں بہارِ شریعت حصہ نہم جلد اول ص ۴۶۲ میں لکھتے ہیں:

علمِ دین اور علماء کی توہین بے سبب یعنی محض اس وجہ سے کہ عالمِ دین ہے کفر ہے۔ انتہی

یہ توہین ڈاکٹر جلالی سے اگر ثابت ہو بھی جائے تو یہ ان کے سید اور عالمِ دین ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی مخاصمت کی بناء پر ہے۔ اور ان علماءِ دین و سادات کرام نے حدِ اعتدال سے تجاوز کر کے ان کو اس توہین پر خود اکسایا ہے، چنانچہ سوشل میڈیا پر ان کا غلط فتویٰ اور گالی گلوچ پر مشتمل بیان دونوں مشہور ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس توہین کی بناء پر ڈاکٹر جلالی کا کفر ثابت کرنا بھی غلط اور مولوی چمن زمان کی زیادتی ہے۔

## تنبیہ نمبر ۴:۔

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر لکھا ہے:

خطیب مذکور اور موصوف کے حامی اپنے مخالفین صحیح العقیدہ علماء و مشائخ اہلِ سنت کو رافضی کہتے ہیں اہلِ علم جانتے ہیں کہ رافضی اگر سارے کے سارے نہیں تو ان کی ایک بڑی اکثریت قطعیات کے منکر، خارج از دائرہ اسلام ہیں۔ تو رافضی کہنا نہ ہوا مگر کافر کہنا۔

اور حضرت عبد اللہ ابنِ عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

**اَیُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا (صحیح بخاری ۶۱۰۴، صحیح مسلم ۶۰)**

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو " اے کافر " کہے تو کفر کسی ایک طرف پلٹتا ہے۔

یوں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے (صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۱۰۳)

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

جمہور ائمہ کرام فقہاءِ اعلام کا مذہب صحیح و معتمد و مفتی بہ یہی ہے کہ جو ایک مسلمان

کو بھی کافر اعتقاد کرے خود کافر ہے انتہی (فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۳۷۹)

جواباً عرض ہے کہ حدیثِ رسول بسر وچشم قبول اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی بھی سر آنکھوں پر مگر اس سے مولوی چمن زمان کی وجہ کفر جو صرف ڈاکٹر جلالی کو ہی نہیں بلکہ ان کے تمام حامیوں کو کافر بنانے کیلئے ہے ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے مخالفین سنی علماء ومشائخ کو اس معنی میں رافضی کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں ان کے مخالفین سنی علماء ومشائخ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معصوم عن الخطاء مانتے ہیں حالانکہ یہ روافض کا مذہب ہے۔ڈاکٹر جلالی اور ان کے حامی متفقہ اعلامیہ کے پانچویں نکتہ میں صراحۃً اس کو روافض کا مذہب لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ مولوی چمن زمان خود ان سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

متفقہ اعلامیہ کا پانچواں نکتہ کچھ یوں ہے:۔

"ہمارا مخالف فرقہ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معصوم اور اہلِ بیت کے عظیم فرد سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معصومہ مانتا ہے (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۳۱)

اندریں صورت مولوی چمن زمان کا یہ لکھنا کہ ڈاکٹر جلالی اور ان کے حامی اپنے مخالفین سنی علماء ومشائخ کو رافضی کہکر کافر قرار دے رہے ہیں اور یہ کفر خود ان کی طرف لوٹ جائیگا کتنی غلط بات ہے۔ میری معلومات میں صرف اہلِ بیت کو معصوم ماننے کی وجہ سے رافضیوں کو آج تک کسی نے کافر نہیں کہا تو اس وجہ سے سنی علماء ومشائخ کو کافر کہنا کیسے لازم آئیگا؟

مولوی چمن زمان کی یہ عجیب سی حرکت اور پھر اس کے بل بوتے پر ایسی دلیری کہ اپنی کتاب میں موجود عبارت پر بھی دھیان نہیں عجیب مضحکہ خیز ہے مجھے اس کو دیکھ کر یہ مقولہ یاد آگیا ہے۔

؎ چہ دلاور دزدے کہ چراغ بکف دارد

## تنبیہ نمبر ۵:۔

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے ص ۱۱۰ سے ص ۱۱۶ تک ڈاکٹر جلالی کے وضع کردہ ایک ضابطہ پر کلام کیا ہے۔ مولوی چمن زمان کے منطقی ہونے میں شک نہیں لہذا ان کے اس کلام پر ہمیں کوئی کلام نہیں ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی نے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی شروع ہی سے غلط تشریح کی تھی۔ حضرت کے امکان خطا کے ذکر سے جو وقوع خطاء سمجھا تھا یہی ڈاکٹر جلالی کی بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے ان کی زبان نے شروع ہی سے لغزش کھائی تھی، اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بلا قیدِ اجتہادی تکرار کیساتھ وقوع خطاء کی نسبت کر بیٹھے۔ پھر بعد میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی غلط تشریح کو ثابت کرنے کیلئے مزید کئی غلطیاں کیں اور معقولات پر دسترس نہ رکھنے کی وجہ سے غلط ضابطہ وضع کیا۔ یہ ان کے فہم کی غلطی ہے لہٰذا ان کو معاف رکھا جائے۔

# نسبتِ خطا کی بحث

## تنبیہ نمبر ۶:۔

مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں کے نزدیک ڈاکٹر جلالی نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیطرف باغ فدک کے مطالبہ میں خطاء کی نسبت کر کے ان کی گستاخی کی ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر جلالی اپنے آپ کو حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گستاخ مان کر اپنی پہلی غلطی سے رجوع کریں لیکن ڈاکٹر جلالی اس پر ہرگز راضی نہیں کہ اپنے آپ کو حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گستاخ مان کر اپنی غلطی سے رجوع کریں چنانچہ مولوی چمن زمان ڈاکٹر جلالی کے 18 جون 2020ء کے خطاب سے ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں:

معاذ اللہ اگر سیدہ پاک کے مقام و مرتبہ کے خلاف کسی لفظ کی آپکی طرف نسبت کی گئی ہوتی تو کم از کم مجھ جیسے بندے کو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی کہ تم رجوع کرو۔ کیونکہ ہم اس ملک کے اندر آدابِ رسالت، آدابِ خاندانِ نبوت، آدابِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہیں ہائی لائٹ کرنے کے لحاظ سے اپنا سب کچھ داؤ پہ لگائے ہوئے ہیں۔

(خطاب 18 جون 2020ء) (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۲۱)

ڈاکٹر جلالی یہاں کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر میری کسی گفتگو میں سیدہ پاک کی گستاخی ہوتی تو میں تمہارے سمجھانے سے پہلے خود ہی رجوع کر لیتا۔ اس معاملہ میں رجوع کرانے

کیلئے مجھ جیسے بندے کو سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ ہم اپنا سب کچھ تو ان عظمتوں کے مالک شخصیات کے آداب کو بلند و بالا کرنے کیلئے داؤ پر لگائے ہوئے ہیں تو میرے رجوع کرنے میں کونسی مشکل بات تھی، یعنی وہ اپنی کسی گفتگو میں سیدہ پاک کی گستاخی ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہیں۔ یہی بات ان میں اور ان کے مخالفین سنیوں میں اختلاف کا باعث ہے۔ مولوی چمن زمان نے بھی یہی سمجھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

خطیب مذکور تو استعمال شدہ الفاظ کو شانِ سیدہ فاطمہ کے منافی ماننے کو تیار ہی نہیں، پھر تاویل کر دینے یا بدل ڈالنے کو رجوع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۲۱)

مولوی چمن زمان کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر ڈاکٹر جلالی کے متنازع فیہ خطابوں میں ان کی لفظِ غلطی اور لفظِ خطا کی تاویل خطا اجتہادی سے کرنے کو اسی طرح لفظ بدل کر دوسرے خطاب میں بے خطا بے گناہ سیدہ زاہرہ کے نعرے لگانے کو قبول کر بھی لیا جائے تو پھر بھی ان کو رجوع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ؟ ڈاکٹر جلالی اپنے استعمال شدہ الفاظ کو سیدہ پاک کی گستاخی ماننے کیلئے یار ہی نہیں۔

میں کہتا ہوں انصاف شرط ہے۔ اس تنازع کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ انصاف سے دیکھا جائے کہ ڈاکٹر جلالی کے متنازع فیہ خطابوں میں لفظ بولنے میں صرف بے احتیاطی ہے یا سیدہ پاک کی گستاخی؟ آنے والی تنبیہات میں اس پر بحث آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ:

تنبیہ نمبر ۷:

# مولوی چمن زمان کے دو سوال

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۸ سے ۱۲۱ تک ڈاکٹر جلالی کو گستاخی سے بری الذمہ قرار دینے والوں پر دو سوال کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) کیا جس لفظ میں بے ادبی کا معنیٰ ہو اس کو کوئی شخص دوسرے کے حق میں بول دے مثلاً اس کو ولد الحرام یا سگ کا بیٹا کہہ دے جب گرفت ہو تو کہے کہ میری نیت حرام الدم

والمال والعرض تھی یعنی آپ کا خون اور مال اور عزت دوسروں پر حرام ہے۔

اور سگ کا بیٹا کی یہ تاویل کرے کہ میں نے سگِ غوث ورضا کا بیٹا مراد لیا تھا یعنی آپ حضرت غوث اعظم اور حضرت امام احمد رضا کے غلام کے بیٹے ہو۔

کیا یہ بعد کی تاویل پہلی گفتگو کو گالی کے باب سے نکال دے گی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ایک شخص نے جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی جانب "بڑی شدومد کیساتھ وقوعِ خطاو غلطی کی نسبت کا تکرار کیا۔ اور تا حال اپنی بات پہ ڈٹا ہوا ہے اور اسے اہلِ سنت کی ترجمانی قرار دے رہا ہے، لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی خاطر ایک جملہ کہہ دیا کہ "میرا مقصد خطاء اجتہادی تھا" صرف اتنا کہہ دینا اس کی گزشتہ بے ادبی کو کیسے مٹا دیگا؟؟؟؟

(۲) مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں انتہائی ناپاک جملہ بولا تھا عبارت کچھ اسطرح تھی۔

پھر یہ کہ آپکی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کُل غیب۔ اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں .................. (یہ عبارت حفظ الایمان میں ص ۷-۸ پہ موجود ہے، میرا ایمان اجازت نہیں دیتا کہ میں بطور حکایت ہی اس عبارت کو لکھوں)

جب مولوی اشرف علی تھانوی پہ گرفت ہوئی تو موصوف کی عبارت میں موجود لفظ "ایسا" جو تشبیہ میں صریح ہے اسے بمعنیٰ "اتنا" بنانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ لیکن علماءِ اہلِ سنت نے ان تاویلات کو قبول نہیں کیا۔

جب موصوف اور اس کے ہمنواؤں نے سمجھا کہ ان کی یہ تاویلات کارگر نہیں تو مجبوراً حفظ الایمان کی عبارت کو بدل ڈالا اور نئی عبارت کچھ اس طرح تحریر کی۔

اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی کیا تخصیص ہے۔ مطلق بعض علومِ غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں۔

میں موصوف کی اس نئی عبارت کو بھی بے غبار نہیں کہتا۔ لیکن میرا خطیب مذکور کی تاویل کو مان لینے والوں سے سوال ہے کہ:

کیا مولوی اشرف علی تھانوی کے عبارت بدل دینے سے موصوف کی گزشتہ عبارت سے متعلق نزاع ختم ہو گیا؟

کیا پہلی عبارت کو لے کر ان پہ لگائے جانے والے فتوی کو جلا کر راکھ کر دیا گیا؟ حالانکہ موصوف نے تو عبارت ہی بدل دی۔ پھر بھی اُن کی پچھلی گفتگو کو لے کر نزاع و جدال کیوں؟؟؟

وجہ یہی ہے کہ موصوف نے پچھلی عبارت کا دفاع کیا، تاویلیں کیں، عبارت بدل ڈالی لیکن توبہ اور رجوع نہیں کیا۔ تو صرف عبارت بدلنے کا کچھ فائدہ نہیں جبکہ پہلی گستاخی کو حق اور درست سمجھتے رہے۔ اسی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

پہلی عبارت جس کو بدلنے کے باوجود تھانوی صاحب "حق اور درست" مانتے ہیں (تعارف علماءِ دیوبند ص ۵۹)

مولوی اشرف علی تھانوی کے رجوع نہ کرنے کی وجہ سے نزاع و جدال ختم نہ ہوا۔ تو کیا خطیب مذکور نے توبہ ورجوع کرلیا؟

خطیب مذکور تو استعمال شدہ الفاظ کو شانِ سیدہ فاطمہ کے منافی ماننے کو تیار ہی نہیں۔ پھر تاویل کر دینے یا بدل ڈالنے کو رجوع کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ فتوی کے سلسلے میں دیوبندیوں کی طرح اپنے پرائے کا فرق نہیں؟ جس بات کا الزام ہم ان کو دیتے تھے شاید وہ عنصر اب اہلِ سنت کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ (مولوی چمن زمان کی کتاب صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۱ ملخصاً)

## ان دو سوالوں کا جواب:

مولوی چمن زمان کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ولد الحرام اور سگ کا بیٹا اور اس طرح کے دوسرے الفاظ عرف میں بے ادبی کے معنی میں متعین ہیں اور بے ادبی کا دارومدار عرف پر ہے۔ لہٰذا جو شخص اس قسم کا لفظ کسی پر بولے اور پھر اس کی یہ تاویل کرے کہ اس سے میری مراد یہ تھی وہ نہ تھی جو بے ادبی کے معنیٰ میں ہے تو اس کی بعد کی تاویل نہیں سنی جائیگی بلکہ اس کو بے ادب ہی سمجھا جائیگا۔

لیکن خطا کا لفظ جب کسی مسئلہ اجتہادیہ میں استعمال ہو تو اس کا بے ادبی کے معنی میں متعین ہونا تو دور کی بات ہے عرف میں اس کو بے ادبی سمجھا ہی نہیں جاتا۔

جس مسئلہ میں حکمِ شرعی واضح نہ ہو یا دو مجتہدوں کا اس میں اختلاف ہو تو وہ مسئلہ اجتہادیہ ہوتا ہے جیسے باغ فدک کا مسئلہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اختلاف کی وجہ سے اجتہادی مسئلہ ہو گیا ہے۔

اس قسم کے مسائل میں خطباء اپنے خطابوں میں خطاء کی نسبت کر دیتے ہیں اور علماء کی گفتگو میں عام طور پر ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن کبھی نہیں سنا گیا کہ اس میں کسی نے بے ادبی اور گستاخی سمجھی ہو کیونکہ مسئلہ اجتہادیہ میں خطا ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے ورنہ اللہ کے نبی کو عیب دار کہنا پڑے گا حالانکہ یہ بہت بڑی گستاخی اور کفر ہے۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ غزوۂ تبوک بہت مشکل اور دشوار تھا، تبوک کا سفر بہت دور تھا۔ بعض منافقین نے حضور پاک صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم سے اس غزوہ میں نہ جانے کی اجازت حاصل کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے اپنے اجتہاد سے ان کو اجازت دے دی۔ عند اللہ آپ کا یہ اجتہاد درست نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس اجتہادی خطاء پر آپکو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

عَفَا اللّٰہُ عَنکَ لِمَ اَذِنتَ لَھُم حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِینَ صَدَقُوا وَتَعلَمَ الکَاذِبِینَ، (سورۃ توبہ آیت ۴۳)

ترجمہ: اللہ نے آپ کو معاف فرمایا۔ آپ نے ان کو کیوں اجازت دے دی حتیٰ کہ آپ پر وہ لوگ ظاہر ہو جاتے جنہوں نے سچ بولا اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔

عفا اللہ عنک محاورات عرب میں ایک محبت آمیز کلمہ ہے نیز اللہ تعالیٰ کا کمال محبت یہ ہے کہ عفا اللہ عنک پہلے فرمایا اور اجتہادی خطاء پر تنبیہ بعد میں کی۔ علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

امام رازی، علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے بھی حضور کے اجازت دینے کو اجتہادی خطا اور ترکِ افضل پر محمول کیا اور عفا اللہ عنک کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کلمۂ ثنا ہے۔ (شرح صحیح مسلم للعلامۃ السعیدی ج ۷ ص ۳۱۸)

تو اب بتائیے! کیا اس خطاء اجتہادی کی بنا پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

والہ وسلم کو عیب دار کہنا جائز ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ مسئلہ اجتہادیہ میں خطا ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی نسبت کسی عظیم ہستی کی طرف کرنا س کی گستاخی نہیں ہے، مسئلہ اجتہادیہ میں خطاء کی نسبت کرنے کو بے ادبی اور گستاخی کہنے والوں کی جب گرفت ہوتی ہے تو شرمندگی کیساتھ سر جھکانے کے سوا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

مولوی چمن زمان کے ہم خیال سید عرفان شاہ مشہدی کو میں نے ایک ویڈیو کلپ میں خود دیکھا ہے کہ وہ ایک طرف تو اپنے کسی بیان میں ایک عظیم ہستی کی طرف خطا کی نسبت کرر ہے ہیں اور دوسری طرف اس نسبت کو کفر قرار دے رہے ہیں۔ اب بتایئے! وہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ مولوی چمن زمان کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ:

مولوی اشرف علی تھانوی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی کی تھی لہٰذا جب تک وہ اپنی غلطی کو مان کر توبہ اور رجوع نہ کرتا صرف عبارت کے بدلنے دینے سے اس کا رجوع کیسے ہو جاتا؟ اسی وجہ سے علماءِ اہلِ سنت نے اس کے حیلے بہانے قبول نہیں کئے اور اس کو کفر سے بری نہیں سمجھا۔

بخلاف ڈاکٹر جلالی کے کیونکہ ڈاکٹر موصوف نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف لفظِ خطا اور لفظِ غلطی کی نسبت کی ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ دونوں محتمل التاویل اور ذو معانی الفاظ ہیں اسلئے ان کی نسبت کو مولوی اشرف علی تھانوی کی صریح گستاخی کی طرح سمجھنا قطعاً غلط اور مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں کی سراسر زیادتی ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ:۔

نیز ڈاکٹر جلالی نے اپنے بعد والے خطابات میں ان الفاظ کو بدل نہیں ڈالا بلکہ خطاء اجتہادی سے ان کی تاویل کر کے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ”متعلق بے خطاء بے گناہ سیدہ زاہراہ“ کے نعرے لگائے تا کہ جن لوگوں کے ذہن میں یہ آیا ہے کہ ڈاکٹر جلالی نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف گناہ کی نسبت کی ہے انکا ذہن صاف ہو جائے اور ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے۔

غرضیکہ ڈاکٹر جلالی نے نہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی

شان میں گستاخی کی ہے اور نہ ہی بشرط انصاف صحیح دلائل کی روشنی میں ان کے بولے ہوئے کسی لفظ سے حضرت سیدہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی ثابت کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس کی مثال میں مولوی اشرف علی تھانوی کی صریح گستاخانہ عبارت کو پیش کر کے سوال کرنا مولوی چمن زمان کی سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيْنَ مَثْوَاهُم

# کیا باغِ فدک کے مسئلہ میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجتہاد نہیں کیا تھا؟

اس سے پہلے ہم حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد کے ثابت ہونے پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔ اس کے متعلق مزید عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی مشہور حدیث جس کے الفاظ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب حکم الفیئ میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ ہیں۔

لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ

ترجمہ: ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا۔ ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے

یہ حدیث صحیح بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں بھی بعض الفاظ کے اختلاف کیساتھ موجود ہے۔ اس حدیث کے مختلف الفاظ کے پیش نظر مولوی چمن زمان نے اس کو فرامینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم یعنی جمع کے صیغہ کیساتھ تعبیر کیا ہے۔

اس حدیث کے متعلق مولوی چمن زمان کا دعوی ہے کہ یہ حدیث باغ فدک کے مطالبہ کے وقت تک حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی ہی نہیں تھی چنانچہ مولوی چمن زمان لکھتے ہیں:۔

رہی بات ان فرمینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی جو "عدم توریثِ انبیاء" پر ناطق ہیں وہ تا وقتِ مطالبہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچے ہی نہیں تھے۔ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۸۱)

مولوی چمن زمان نے اس دعوی پر یہ مسئلہ متفرع کیا کہ باغ فدک کے مسئلہ میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجتہاد نہیں کیا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولوی چمن زمان نے پورے وثوق سے بالجزم یہ دعوی کیا ہے۔

## مولوی چمن زمان کی اپنی تحقیق سے اس پر لزوم کفر

میں فقیر عطاء محمد نقشبندی مجددی حنفی کہتا ہوں کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی جو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک نہ پہنچتی۔ صحابہ کرام میں یہ حدیث مشہور ہو چکی تھی ابوداؤد شریف میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قسم دیکر پوچھا کیا تمہیں اس حدیث کا علم ہے۔ (دونوں نے فرمایا ہاں ہمیں علم ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳)

پس جو حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تک پہنچ چکی ہو آپ اس سے بے خبر رہیں یہ بہت بعید ہے (بڑی دور کی بات ہے) اسی وجہ سے اکابر محدثین نے بھی بالجزم یہ نہیں فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس حدیث کا علم نہیں تھا۔ یہ صرف مولوی چمن زمان کا کمال ہے کہ بلا دلیل اتنا بڑا دعوی کر دیا اور بالجزم کہہ دیا کہ یہ فرامینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تاوقتِ مطالبہ سیدہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچے ہی نہیں تھے اور پھر اس پر ان کے عدمِ اجتہاد کا مسئلہ بھی متفرع کر دیا اور اس کے پسِ منظر میں جو خرابی ہے اس سے بے خبر رہے۔ ہاں ہم سے سنئے ! اس سے مولوی چمن زمان کی اپنی تحقیق کے مطابق اس پر کفر لازم آتا ہے کیونکہ مولوی چمن زمان نے خود لکھا ہے کہ:۔

سطور بالا میں ہم مفصلاً بیان کر چکے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب کسی بھی ہلکی چیز کی نسبت حکمی طور پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب نسبت ہے اور سیدہ فاطمہ زہراء کی بے ادبی حکماً مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے۔ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۹۵)

اور یہ حدیث بڑی مشہور ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری، مشکوۃ ص ۳۲)

ترجمہ: جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے تو اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

اور مولوی چمن زمان امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں۔

**ان من تعمد الکذب علیه علیه الصلوٰۃ والسلام یکفر کفرا یخرجه عن الملة**

اور اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے: جو شخص جان کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذات عالیہ پر جھوٹ باندھے وہ کافر ہے، ملت سے خارج ہے (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۳۵)

تو اب سنئے! مولوی چمن زمان کی تحقیق کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے بلا دلیل اور بالجزم لاعلم بتانا حکماً مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اپنے فرمان سے لاعلم بتانا ہے اور یہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھنا ہے اور یہ مولوی چمن زمان کی نقل کردہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی درج بالا عبارت کے مطابق ایسا کفر ہے جو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ پس مولوی چمن زمان پر اپنی تحقیق کی روشنی میں کفر لازم آگیا۔ کفر بھی ایسا جو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے یہ مظلوم جلالی پر بلا جواز کفر لازم کرنے کا نتیجہ ہے لہٰذا مجھے کہنے دیجئے! یہ سچ ہے کہ۔

**مَنْ حَفَرَ حَفِيرًا لِأَخِيهِ فَقَدْ وَقَعَ فِيهِ**

ترجمہ: جس نے اپنے بھائی کیلئے کنواں کھودا تو یقیناً وہ خود اس میں گرے گا۔

جی ہاں! مزید سنئے! اگر حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اجتہاد کو تسلیم نہ کیا جائے تو یہ لازم آئیگا کہ انہوں نے حدیثِ رسول کو ٹھکرایا ہے اور یہ مستلزم ہے انکارِ حدیث کو۔ پس مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ کی طرف خطا اور غلطی کی نسبت کرنا ان کے نزدیک گستاخی ہے حالانکہ ان کی تاویل خطاء اجتہادی اور اجتہادی غلطی سے ممکن ہے تو ان کی طرف انکارِ حدیث کی نسبت کرنا اس سے بھی بڑی گستاخی ہے۔ اور مولوی چمن زمان کی تحقیق کے

مطابق یہ گستاخی حکماً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی گستاخی کفر ہے لہٰذا یہ مولوی چمن زمان پر دوسری وجہ سے کفر لازم آیا۔

نیز مولوی چمن زمان کی تحقیق کے مطابق حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب کسی بھی ہلکی چیز کی نسبت حکمی طور پر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی طرف انکار حدیث کی نسبت ہلکی چیز کی نسبت ہی ہے کیونکہ یہاں ہلکی چیز سے مراد وزن میں ہلکی چیز نہیں ہے بلکہ وہ چیز مراد ہے جو ان کی شان کے لائق نہ ہو اور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حدیث کا انکار انکی شان کے لائق نہیں۔

پس مولوی چمن زمان کی تحقیق اور مفصل بیان کے مطابق اس مشہور حدیث کے انکار کی نسبت حکمی طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی طرف ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اپنے حدیث کا منکر کہنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنا ہے۔ اس کا کفر ہونا مولوی چمن زمان امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر چکے ہیں لہٰذا اس وجہ سے بھی مولوی چمن زمان پر کفر لازم آیا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اپنی حدیث کا منکر کہنا آپ کی شان میں گستاخی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے پس اسوجہ سے بھی مولوی چمن زمان پر کفر لازم آیا یہ مولوی موصوف پر لزومِ کفر کی چوتھی وجہ ہے۔ اور مولوی چمن زمان پر لزومِ کفر کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۴ اور ۵۵ پر بعض فقہاء کے حوالے سے خود لکھ چکے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گستاخ کافر ہے پس انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف انکار حدیث کی نسبت کر کے ان کی گستاخی کی۔ تو اسوجہ سے بھی ان پر کفر لازم آیا۔

مولوی چمن زمان پر لزومِ کفر کی یہ پانچ وجہیں بادی النظر میں ان پر ثابت ہیں۔ یہ صرف انکو نمونہ دکھایا گیا ہے تاکہ انکو پتہ چلے کہ وہ جس راستے پر چل پڑے ہیں اس کا انجام بڑا خطرناک ہے۔ میں اس کام کے درپے نہیں ہوں اور نہ ہی میری غرض ان کی پوری کتاب کو رد کرنا ہے۔ میں صرف ان کی بڑی غلطیوں پر ان کو تنبیہ کر رہا ہوں تاکہ وہ

اپنی اصلاح کرلیں۔ اگران پرلزوم کفر ثابت کرنے کی وجہ سے وہ مجھ پر ناراض ہو جائیں تو میں یہی کہوں گا۔

گر بر تو لازم است لازم کردہ ات باوا

یعنی اگر تجھ پر (کفر) لازم آرہا ہے تو بابا تیرا اپنا لازم کیا ہوا ہے (میں کیا کروں)

**تنبیہ نمبر ۸:**

# خطاء اجتہادی کے اطلاق کی صورتیں

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر یہ عنوان قائم کر کے ''خطاءِ اجتہادی کے اطلاق کی صورتیں'' اس کے تحت لکھا ہے کہ:۔

امام غزالی کے مطابق خطا کا اطلاق دو صورتوں میں کیا جائیگا۔

(۱) حکمِ شرعی کو طلب کیا مگر پا نہ سکا تو خطاء پر ہے۔

(۲) جس پہ حکمِ شرعی کی طلب لازم تھی مگر اس نے کوتاہی کی تو اب بھی خطاء پر ہے۔

امام غزالی کا کلام یہ ہے۔

**اسم الخطا یطلق علی من طلب شیئا فلم یصب اوعلی من وجب علیه الطلب فقصر (السمتصفی ص ۹۷)**

خطا کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا ہے جس نے کسی چیز کو تلاش کیا مگر پا نہ سکا۔ یا وہ شخص جس پر طلب لازم ہوئی اور اس نے کوتاہی کی۔

## خطیب مذکور اور اس کے حامیوں سے سوال ہے کہ:

آپ لوگ سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب نسبتِ خطا پر [illegible]

یہ خطا کس لحاظ سے تھی ؟؟؟

جواباً عرض ہے کہ حضرت سیدہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب نسبتِ خطا پر مصر ہونے کا الزام مولوی چمن زمان کی بد دیانتی اور سنی علماء پر بہتان ہے۔ اجتہادی خطاء کی نسبت حضرت سیدہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کرنا صرف اس مجبوری کی وجہ سے ہے کہ بصورتِ دیگر ایسے سخت اعتراضات کا سامنا ہے جن کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔

لہذا گزارش ہے کہ بالعموم تمام اہلِ بیتِ کرام اور بالخصوص حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ سیدۃ النساء العبول الزہراء، جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی شان کے آگے ہمارا سرِ نیاز ہر وقت خم رہتا ہے۔

یہ چند سطور اظہارِ حق کیلئے ضرورتِ شرعیہ کے تحت لکھے جا رہے ہیں کیونکہ اگر حق و باطل میں امتیاز ظاہر نہ کیا جائے تو جلد ہی دینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا چہرا مسخ ہو کر رہ جائے گا۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ حق یہی ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کرنا صحیح ہے کیونکہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حدیثِ رسول سنائی تھی تو وہ ناراض ہونے کے بجائے صحابۂ کرام خاص کر اپنے زوجِ محترم مدینۂ علم کے باب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تصدیق کر لیتیں۔ اگر ان کو اس کی تصدیق تھی تو اس کے معنیٰ کے تعین میں ان کی رائے لیکر اس پر غور کر لیتیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی رائے اور اجتہاد سے اس کا جو معنیٰ سمجھا تھا اس پر قائم رہیں تو یہ حکمِ شرعی کی طلب میں ان کی ایک قسم کی کوتاہی تھی اسلئے ان کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت کرنا صحیح ہے۔

# منطق کے قاعدہ سے مسئلہ متنازعہ کا حل

مولوی چمن زمان منطقی ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منطق کے قاعدہ سے ان کو مسئلہ سمجھا دیا جائے۔ پس جاننا چاہئے کہ ڈاکٹر جلالی نے اپنے متنازعہ فیہ خطابوں میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف مطلق خطاء اور مطلق غلطی کی نسبت کی ہے۔

مطلق خطاء اور مطلق غلطی کو مطلق الشیئ کے معنیٰ میں لیا جائے یا الشیئ المطلق کے معنیٰ میں۔ دونوں صورتوں میں خطا اور غلطی کے کسی ایک فرد کے تحقق سے مطلق کا تحقق ہو جائیگا۔ چنانچہ سید میر زاہد ہروی رحمۃ اللہ علیہ مطلق الشیئ اور الشیئ المطلق کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

تحقیقه ان المطلق یوخذ علی وجهین ان یوخذ من حیث هو ولا یلاحظ مع الاطلاق وحینئذ یصح اسناد احکام الافراد الیه لاتحاده معهاذاتاً ووجوداً وهو بهذا الاعتبار یتحق بتحقق فرد ما وینتفی بانتفائه وهو القضیة المهملة اذ موجبتها تصدق بصدق الجزئیة وسالبتها تصدق بصدق الجزئیة والثانی ان یوخذ من حیث انه مطلق ویلاحظ معه الاطلاق وحینئذ لا یصح اسناد احکام الافراد الیه لان الحیثیة الاطلاقیة تابی عنه وهو بهذا الاعتبار یتحقق بتحقق فرد ماولا ینتفی بانتفائه بل بانتفاء جمیع الافراد وهو موضوع القضیة الطبعیة (میر زاهد علی ملا جلال ص ۱۰۰-۱۰۱)

ترجمہ: اس (مقام) کی تحقیق یہ ہے کہ مطلق دوطریقوں پر لیا جاتا ہے (یعنی مطلق کی دو قسمیں ہیں) ایک یہ کہ اس کو من حیث ھو لیا جائے (یعنی شیئ کا لحاظ بحیثیتِ شَیٔ کیا جائے) اور اطلاق کیساتھ اس کا لحاظ نہ کیا جائے (یعنی اطلاق کو اس شیئ کی جزء نہ بنایا جائے۔ یہ پہلی قسم ہے، اس کو مطلق الشیئ کہتے ہیں) اور اس وقت اس کی طرف افراد کے احکام کی نسبت صحیح ہوتی ہے۔ کیونکہ (اسوقت) وہ افراد کیساتھ ذات اور وجود (دونوں) کے لحاظ سے متحد ہوتا ہے اور وہ (مطلق) اس اعتبار سے (یعنی مطلق الشیئ کے اعتبار سے) ایک فرد کے تحقق سے تحقق ہو جاتا ہے (یعنی ایک فرد کے ثبوت سے ثابت ہو جاتا ہے) اور ایک فرد کی نفی سے منتفی ہو جاتا ہے اور وہ قضیہ مہملہ ہے (یعنی مطلق الشیٔ قضیہ مہملہ کا موضوع ہے) کیونکہ قضیہ مہملہ موجبہ' جزئیہ کے صدق سے صادق ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس کا سالبہ (بھی) جزئیہ کے صدق سے صادق ہو جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ قضیہ مہملہ میں جزئیہ کے ثبوت سے موجبہ جزئیہ صادق وہ جاتا ہے اور جزئیہ کے سلب سے سالبہ جزئیہ صادق ہو جاتا ہے) اور دوسری قسم (الشیئ المطلق) یہ ہے کہ مطلق کو اس حیثیت سے لیا جائے کہ وہ مطلق ہے اور اس کیساتھ اطلاق کا لحاظ کیا جائے اور اسوقت افراد کے احکام کی نسبت اس کی طرف صحیح نہ ہوگی کیونکہ حیثیت اطلاقیہ اس سے انکار کرتی ہے (یعنی اطلاق کی قید اس کے منافی ہے) اور وہ (مطلق) اس اعتبار سے (یعنی الشیئ المطلق کے اعتبار سے) ایک فرد کے تحقق سے متحقق ہو جاتا ہے (یعنی ایک فرد کے ثبوت سے ثابت ہو جاتا ہے) اور

ایک فرد کی نفی سے منفی نہیں ہوتا بلکہ تمام افراد کی نفی کرنے سے (منفی) ہوتا ہے اور وہ قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے۔

اس تحقیق کے مطابق بہتر تو یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی کے کلام میں مذکور مطلق خطاء اور مطلق غلطی کو مطلق الشیئ کے معنیٰ میں لیتے ہوئے ان کی تاویل کو قبول کرلیا جائے اور اس سے خطاءِ اجتہادی اور اجتہادی غلطی مراد لی جائے۔ کیونکہ جب کوئی شخص محتمل التاویل اور ذومعانی لفظ بولے تو اس کو اپنی مراد متعین کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیال اس پر راضی نہیں ہوتے تو پھر ڈاکٹر جلالی کے کلام میں مذکور مطلق خطاء اور مطلق غلطی کو الشیئ المطلق کے معنیٰ میں لیتے ہوئے اس کو اپنے مدلول کے تمام افراد سے خالی کر[1] لیا جائے اور پھر کسی قرینہ سے اس کی مراد متعین کی جائے۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے کہتا ہوں کہ یہ مطلق خطاء اور مطلق غلطی دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کا فرد کامل مراد ہے یا فردِ ناقص۔ مطلق خطا اور مطلق غلطی کا فردِ کامل ''گناہ'' ہے۔ اس کا مراد ہونا یہاں ممکن نہیں کیونکہ باغ فدک مسئلہ میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور یہ حدیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم اس پر ناطق ہے کہ مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطا کرے تو ایک اجر کا مستحق ہے اور اگر درستگی کو پہنچ جائے تو دو اجر اس کو ملتے ہیں[2]

اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ باغ فدک کے مسئلہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ حق تھا تو لامحالہ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد جو ان کے فیصلہ کے مقابلہ میں تھا خطا ہوگا کیونکہ اگر دونوں کو حق کہیں تو اجتماع النقیضین لازم آئیگا جو کہ محال ہے۔

اور یہ بات بالکل واضح سی ہے کہ گناہ پر اجر و ثواب نہیں ملتا لہٰذا ان کی خطاء اور غلطی سے گناہ مراد نہیں ہوسکتا۔ مطلق خطا اور غلطی کے افرادِ ناقصہ متعدد ہیں۔ مثلاً (۱)

---

[1] یعنی اس سے مطلق من حیث ہو (مطلق بحیثیتِ مطلق) مراد لی جائے۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم فرماتے ہیں

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاخطا فله اجر واحد (ترمذی ص ۲۴۷ بر صفحہ اول ابواب الاحکام)

ترجمہ: جب حاکم اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب فیصلہ کرنے میں خطا کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

خطاء اجتہادی (۲) کوتاہی (۳) فروگذاشت وغیرہ خطاء اجتہادی کے علاوہ کسی دوسرے فردِ ناقص کے مراد ہونے پر کوئی قرینہ قائم نہیں ہے اور خطاء اجتہادی کے مراد ہونے پر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد واضح قرینہ ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی خطاء اجتہادی ہی مراد ہے۔

پس جب ڈاکٹر جلالی کے کلام میں مذکور مطلق خطاء اور مطلق غلطی سے خطاء اجتہادی اور اجتہادی غلطی کا مراد ہونا متعین ہو گیا تو اس کو حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی قرار دینا غلط ہے۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عوامی مجلس میں بر سرِ منبر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطاء اور غلطی کی نسبت کرنا بلکہ اس کا تکرار کرنا ڈاکٹر جلالی کی بے احتیاطی ہے۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی عظیم ہستی کے معاملہ میں بے احتیاطی کر کے عوام و خواص میں بدگمانی اور نفرت و انتشار پھیلنے کا سبب بننا ڈاکٹر موصوف کی سخت غلطی ہے لہٰذا اس غلطی سے ان کو رجوع کرنا چاہیئے۔

## تنبیہ نمبر ۸

# مسائلِ اعتقادیہ میں حق متعیّن ہوتا ہے۔

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر لکھا ہے:۔

اور مسلمات سے ہے کہ مسائل مجتہد فیہا میں حق بین المجتہدین دائر ہوتا ہے کسی ایک کو حتمی طور پر غلط نہیں کہا جاسکتا، بناء بریں ممکن ہے کہ اس اجتہاد میں صواب سیدنا صدیق اکبر کیساتھ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صواب دوسری جانب ہو............!!!

مسئلہ کو اجتہادی بنا کر آپ یقینی طور پر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صواب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی جانب تھا؟؟؟

لہٰذا مسلک اسلم یہی ہے کہ مسئلہ کو مسائلِ اجتہادیہ کی صف میں نہ لایا جائے بلکہ مسائلِ منصوصہ میں رہنے دیا جائے۔ انتہیٰ کلامہ

جواباً عرض ہے کہ معلوم نہیں مولوی چمن زمان خود مغالطہ کا شکار ہیں یا جان بوجھ کر

دوسروں کو مغالطہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۲۹ پر لکھ چکے ہیں:

کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ ''اس مسئلہ میں صواب سیدنا صدیق اکبر کیساتھ ہے''
ایسے ہی موقع پر کسی شاعر نے کہا ہوگا۔

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کاغذ کے پھولوں سے !!!

مولوی چمن زمان سے کوئی پوچھے کہ جب آپ لوگوں کا ایمان ہے کہ ''اس مسئلہ میں صواب سیدنا صدیق اکبر کیساتھ ہے تو پھر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطاء پر ماننے والوں کے خلاف آپ لوگوں نے اتنا بڑا محاذ کیوں کھڑا کر رکھا ہے؟ کیا اس کے پیچھے کوئی دوسرا مقصد تو کارفرما نہیں؟ مولوی چمن زمان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اصولی اور اعتقادی مسائل میں حق متعین ہوتا ہے فروعی اور فقہی مسائل میں حق مجتہدین کے اجتہاد کے درمیان دائر ہوتا ہے۔ اسلئے ان مسائل میں اپنے مذہب کو صواب محتمل الخطاء اور اپنے مخالف کے مذہب کو خطاء محتمل الصواب کہنا واجب ہے اور اعتقادی مسائل میں اپنے مذہب کو حق اور اپنے مخالف کے مذہب کو باطل کہنا واجب ہے۔ چنانچہ امام علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

**وفيها اذا سئلنا عن مذهبنا و مذهب مخالفنا قلنا وجوباً مذهبنا صواب يحتمل الخطاء ومذهب مخالفنا خطاء يحمل الصواب واذ سئلنا عن معتقدنا و معتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق مانحن عليه والباطل ماعليه خصومنا ١٥ (در المختار على هامش ردالمحتار ج ١ ص ٣٨-٣٩ مطبوعه مكتبه حقانيه پشاور پاکستان).**

ترجمہ: اور اس میں یعنی امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الاشباہ والنظائر میں) ہے کہ جب ہم سے ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب کے بارے میں سوال کیا جائے تو ہم وجوبا کہیں گے کہ ہمارا مذہب درست ہے خطاء کا احتمال رکھتا ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب خطاء ہے درستگی کا احتمال رکھتا ہے اور جب ہمارے اور ہمارے

مخالف کے عقیدے کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے تو ہم وجوباً کہیں گے کہ ہمارا عقیدہ حق ہے اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔

امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

كل مسئلة يتعين الحق فيها بين المتخاصمين فهي من الاصول ( الملل والنحل ص ۳۷ مطبوعه قاهره مصر)

ترجمہ: ہر وہ مسئلہ جس میں حق دو مقابلوں کے درمیان متعین ہو تو وہ اصول میں سے ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ فقہی اور فرعی مسائل جن میں ائمۂ مجتہدین یا اکابرینِ اہلِ سنت کا اختلاف ہے ان میں حق متعین نہیں ہوتا بلکہ مجتہدین کے اجتہاد کے درمیان دائر ہوتا ہے جیسے فقہاءِ حنفیہ، شافعیہ کے مسائل۔ ان میں تمام مجتہدین کو اس معنیٰ میں حق پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ سب ماہر دین ہیں اور انہوں نے دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد کیا ہے اسلئے وہ سب حق پر ہیں۔ اگرچہ یہاں بھی حقیقت میں حق ایک ہی ہوتا ہے مگر اس کا تعین ہمارے دسترس سے باہر ہے اسلئے شریعت نے ہمیں اس کا مکلف نہیں کیا۔ مسئلہ متنازعہ میں تو حق متعین ہے کیونکہ اس پر تمام اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ حق پر مبنی تھا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد مبنی بر خطاء تھا۔

مولوی چمن زمان سے گزارش ہے کہ یہ اعتقادی مسئلہ ہے اسلئے اس میں حتمی طور پر کہا جائیگا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے کیونکہ ان کا اجتہاد قواعدِ شرعیہ کے مطابق تھا۔ اور حضرت سیدہ فاطمہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اجتہاد اس کے برعکس تھا اسلئے خطاء پر مبنی تھا۔

اس مسئلہ کو اجتہادی مسائل کی صف سے نکالنے والوں کے مسلک کو اسلم کہنے کی بنیاد اس ظنی دعوٰی پر ہے کہ انبیاءِ کرام کے ترکہ میں وراثت جاری نہ ہونے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ باغ فدک کے مطالبہ کے وقت تک حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں پہنچی تھیں۔ حالانکہ سوائے ظن کے اس دعوٰی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس سے جو خرابی لازم آتی ہے اس کو ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن پاک میں ہے:۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا (سورۃ یونس آیت ۳۶)

ترجمہ کنز الایمان: بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا

اس آیت مقدسہ کے پیشِ نظر جب ظن اور گمان سے حق بالکل ثابت ہی نہیں ہوسکتا تو مولوی چمن زمان اس مسلک کو اسلم کیسے کہہ رہے ہیں جس کی بنیاد صرف ظن پر ہے؟؟؟

نیز اگر مسئلہ متنازعہ کو مسائل منصوصہ میں رہنے دیا جائے تو اس سے لازم آئیگا کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بغیر کسی اجتہاد کے ایسے مسئلہ کا انکار کیا جس کی بنیاد صرف اور صرف نصوصِ شرعیہ پر ہے گویا بغیر اجتہاد اور دلیلِ شرعی کے اس مسئلہ کا انکار کر کے انہوں نے ان نصوصِ شرعیہ کا ہی انکار کر دیا العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اس بات کی اجازت مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں کا ایمان دیتا ہوگا ہمارا ایمان اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم حضرت سیدۃ النساء جگر گوشۂ مصطفیٰ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظیم شان میں اتنی بڑی گستاخی اور اس صریح بہتان کا دروازہ کھولیں۔

**تنبیہ نمبر ۹:۔**

# مولوی چمن زمان کی نقل کی غلطیاں

مولوی چمن زمان نے بے سوچے سمجھے نقلِ عبارات کی بھرمار کر دی ہے۔ حاطب لیل کی طرح صحیح وسقیم میں فرق کیے بغیر جہاں سے کوئی بات ملی اس کو نقل کرنے میں اپنی جیت سمجھی، اگر مجھے ضیاعِ وقت اور تطویل لاطائل اور قارئین کرام کے املال کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی نقل کردہ ایک ایک عبارت کا وزن بتاتا اور اس کا صحیح محمل متعین کر دیتا۔ لیکن اب چونکہ مذکورہ بالا وجوہ کے پیشِ نظر میں ان کی پوری کتاب کو رد کرنے کے درپے نہیں ہوں اسلئے اسی ایک تنبیہ میں ان کی نقل کی خامیاں ظاہر کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ وہ خود اور دوسرے سمجھدار قارئین اسی ایک تنبیہ سے ان کی نقل کردہ تمام عبارات کی حقیقت جان لیں گے۔

پس معلوم ہونا چاہئے کہ مولوی چمن زمان کی نقل میں درج ذیل خامیاں ہیں۔

(۱) بہت سی عبارتیں صحیح نظر وفکر کے بعد ان کے دعوی پر منطبق نہیں ہوتیں جن میں سے ایک مثال یہ ہے کہ خطاء اجتہادی کے اطلاق کی جو صورتیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہیں مسئلہ متنازعہ میں انکی ایک صورت موجود ہے مگر اس کی نفی کا دعوی کر دیا۔ میرے اسی رسالہ میں اس کی اور مثالیں بھی ملیں گی، مثلاً ڈاکٹر جلالی نے بعض علماء اور سادات کرام کی توہین ذاتی مخاصمت کی بناپر کی ہے مگر مولوی چمن زمان نے ان کے خلاف فقہاء کی وہ تمام عبارتیں نقل کر دیں جو عالمِ دین اور سید ہونے کی وجہ سے توہین کے حکم سے متعلق ہیں۔

(۲) صحابہ کرام کی طرف حقیقی خطاء کی نسبت کی ممانعت کے متعلق جو عباراتِ علماء ہیں ان کو اجتہادی خطاء کی نسبت کی ممانعت پر نقل کر دیا۔

(۳) جن مسائل میں حق متعین نہیں ہوتا بلکہ مجتہدین کے اجتہاد کے درمیان دائر ہوتا ہے ان میں کسی معین مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت عامی مقلد یعنی غیر مجتہد کیلئے جائز نہیں چاہے وہ غیر مجتہد عالم کیوں نہ ہو۔ اس مسئلہ کے متعلق جو عبارات علماء ہیں ان کو اس مسئلہ میں خطاءِ اجتہادی کی نسبت کی ممانعت کے متعلق نقل کر دیا جس میں تمام اہلِ سنت کے اجماع سے حق متعین ہے یعنی باغ فدک کا مسئلہ۔

(۴) لزومِ کفر سے متعلق ایسی عبارتیں نقل کر دیں جن کو نہ مفتی بہ قول کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں اور اس بات سے بے خبر رہے کہ ان کی وجہ سے خود مجھ پر کفر لازم آئیگا۔ اور پانچ وجوہ سے اپنے اوپر کفر لازم کرادیا اور وہ ایسی قوی وجہیں ہیں جن کا جواب دینا ان کیلئے آسان نہیں۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(۵) لزومِ کفر سے متعلق شاذ اقوال اور وہ بھی شروح حدیث اور سیرت وغیرہ کی کتابوں سے اور وہ بھی اکثر غیر حنفی اور غیر مجتہد علماء کے نقل کر دیے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ ایسے اقوال سے کسی مسلمان پر نہ صرف مسلمان بلکہ سنی پر نہ صرف سنی بلکہ عالمِ دین پر نہ صرف عالمِ دین بلکہ خادمِ دین پر نہ صرف خادمِ دین بلکہ مبلغ اسلام پر نہ صرف مبلغ اسلام بلکہ باطل کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے پر نہ صرف باطل کے مقابلہ میں کھڑا ہونے والا بلکہ

باطل کے مقابلے میں اپنے آپ کو وقف کرنے والے پر، نہ صرف اپنے آپ کو وقف کرنے والا بلکہ اپنا سب کچھ داؤ پہ لگانے والے پر لُزوم کفر کا فتوی دینا قرآن وسنت اور اصول فتوی کی رو سے جائز بھی ہے یا ان کی یہ شب وروز کی محنت اور ساری خامہ فرسائی ایک ناجائز کام کیلئے ہوئی ہے؟

## تنبیہ نمبر ۱۰:۔

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ پر لکھا ہے:۔

خطیب مذکور کی گفتگو میں وارد ہونے والے لفظِ خطا سے خطا اجتہادی کے ارادہ اور اطلاق کی صحت کیلئے کم از کم چار امور ضروری ہیں۔

(۱) مسئلہ اجتہادیہ ہو

(۲) سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس میں خطا ہوئی ہو۔

(۳) خود خطیب مذکور جس کلام کی شرح کر رہا ہے اس کلام میں بھی اس معنیٰ کے ارادہ کا احتمال ہو۔

(۴) خود خطیب مذکور کی گفتگو میں اس معنی کے ارادہ سے کوئی مانع نہ ہو......

ان امور اربعہ کے تحقق کیساتھ قرینہ صارفہ کا وجود بھی ضروری ہے۔

**فان اللفظ لایجوز حمله علی غیر ماوضع له الا بدلیل صحیح یمنع من ارادة الحقیقة**

اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو خطیب مذکور کی متنازع گفتگو میں اُمورِ بالا میں سے کوئی بھی متحقق نہیں (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۲۶-۱۲۷)

جواباً عرض ہے کہ یہ نظرِ انصاف نہیں بلکہ نظرِ بے انصافی ہے کیونکہ سوائے اتباع ظن کے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ ہم قرآن پاک کی یہ آیت پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ:

**ان الظن لایغنی من الحق شیئاً ﴿ (سورۃ یونس آیت ۳۶)**

ترجمہ کنزالایمان: بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا اس کا مطلب یہ ہے کہ ظن اور گمان سے حق ثابت ہو ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا اتباع ظن کے تحت مولوی چمن زمان نے جتنی باتیں اپنے دل سے گھڑ کر

پیش کی ہیں ان کی بنیاد ہی فاسد ہے پس اس فاسد بنیاد پر قائم کردہ ساری عمارت بقاعدہ "بناء الفاسد علی الفاسد فاسد" فاسد ہے اور مولوی چمن زمان کی صفحہ ۱۳۲ تا ۱۴۲ کی ساری تقریر بے کار ہے۔ سننے اور دیکھنے کے قابل ہی نہیں چہ جائیکہ اس کے جواب دینے کی حاجت ہو مگر مولوی چمن زمان کے گھمنڈ کو توڑنے کیلئے ہم مختصراً عرض کرتے ہیں کہ اولاً ہم نے اس مسئلہ کا اجتہادی ہونا بھی گزشتہ صفحات میں ثابت کر دیا اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ سے اس مسئلہ میں خطاء اجتہادی کا صادر ہونا بھی لہٰذا ان دونوں باتوں کا انکار مولوی چمن زمان کی کم فہمی یا بددیانتی ہے۔ رہی تیسری بات تو عرض یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی نے جب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی شرح ہی غلط کی ہے تو ان کے کلام میں اس معنی کے ارادہ کا احتمال کیوں ضروری ہو گیا؟ رہی چوتھی بات تو اس کے متعلق عرض ہے کہ جب ڈاکٹر جلالی کا سارا خطاب ہی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظلم کی نفی میں ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطالبہ کو مبنی بر خطاء تسلیم کیا جائے اور ڈاکٹر جلالی اپنی ساری گفتگو میں اسی بات کو ثابت کر رہے ہیں تو پھر ان کی گفتگو میں اس معنیٰ کے ارادہ سے کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اگر مولوی چمن زمان اپنی بدگمانی کی بنیاد پر قائم کردہ مفروضات کو مانع سمجھ رہے ہیں تو ان کا رد پہلے ہو چکا ہے۔

ثانیاً تحذیر الناس کی غلط عبارتوں کو مثال بنا کر پیش کرنا اور خواہ مخواہ کلام کو طول دیکر صفحات سیاہ کرنا اہلِ فہم کے نزدیک قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ ہاں اگر مولوی چمن زمان نے اپنے ہم خیالوں کے دل کو بہلانے کیلئے یا خود پسندی کرتے ہوئے اپنے دل میں پھولے نہ سمانے کیلئے یہ کام کیا ہے تو اس کے متعلق بقولِ مرزا غالب ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

؎ دل بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

لیکن ہم یہ کہیں گے کہ خود پسندی تکبر کی ایک قسم ہے اور اس کا انجام بہت برا ہے لہٰذا بقولِ شاعر مولوی چمن زمان سے عرض ہے کہ

؎ من نگویم ایں و آں کن<br>مصلحت بیں و کار آساں کن

ثالثاً عرض ہے کہ قرینہ صارفہ کا وجود ہم نے ''منطق کے قاعدہ سے مسئلہ متنازعہ کا حل'' کے عنوان کے تحت ثابت کر دیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

**تنبیہ نمبر ۱۱:۔**

# مولوی چمن زمان کی ہٹ دھرمی

قارئین کرام! مولوی چمن زمان کی ہٹ دھرمی ملاحظہ فرمائیں: اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر '' تنبیہ '' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔

بعض اہلِ علم نے اس مسئلہ میں '' اجتہاد '' جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں لیکن ان کی کلام میں لفظِ اجتہاد اصطلاحی معنی میں ہونے کے بجائے محض '' رائے اور موقف'' کے معنی میں ہے، اور بعض اہلِ علم نے مسئلہ کو اجتہادی فرض کرتے ہوئے جناب صدیق اکبر کے موقف کو ترجیح دی ہے لیکن ان کی کلام باب مماشاۃ مع الخصم سے ہے فلیتنبہ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۳۰-۱۳۱)

میں کہتا ہوں: اُن سے کوئی پوچھے کہ ان اہلِ علم نے جب صاف لفظوں میں اجتہاد کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو آپ کو اس کی تاویل کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ نیز اس کی تاویل بھی ایسی کی جو اہلِ علم کے نزدیک تعجب انگیز اور مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے خلاف کوئی رائے اور موقف اختیار کرے تو اس مجتہد کی اس رائے اور موقف اور اس کے اجتہاد میں کیا فرق ہوگا؟ علمِ منطق کی چاروں نسبتوں میں سے کونسی نسبت ان میں ہوگی؟ نسبت تساوی یا تباین، عموم وخصوص مطلق یا من وجہ؟ اگر ان میں نسبت تساوی ہوگی اور یقیناً ہوگی تو وہ ایک ہی چیز ہوئیں، زیادہ سے زیادہ ان میں اعتباری فرق ہوگا، لیکن پھر بھی ایک ہی چیز رہیں گی۔ پس مولوی چمن زمان کی یہ تاویل لغو ٹھہری یا نہیں؟ ایسی صورت میں ہم انہیں ہٹ دھرم نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ مولوی چمن زمان سے سوال ہے کہ مماشات مع الخصم کے باب سے آپ ان کے کلام کو کس طرح بنا رہے ہیں حالانکہ مماشات کے معنی ہیں کسی کیساتھ چلنا۔

چنانچہ غیاث اللغات ص ۴۹۷ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔

مماشات بضم اول و شین معجمه با کسے رفتن و همراهی کردن از منتخب

ترجمہ: مماشات پہلے حرف (میم) کے ضمہ اور نقطے والے شین کیساتھ ہے
اس کا معنیٰ ہے: کسی کیساتھ چلنا اور (اس کی) ہمراہی کرنا (یعنی ساتھ رہنا) یہ
معنیٰ منتخب اللغات سے لیا گیا ہے۔

اور مع الخصم کے معنیٰ ہیں مدِ مقابل کیساتھ۔ پس مماشات مع الخصم کے معنیٰ ہوئے مدِ مقابل کیساتھ چلنا اور اس کے ساتھ رہنا۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ خصم کس کو بنائیں گے اگر آپ کہیں کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک دوسرے کے خصم تھے تو یہ ان کی شان کے لائق نہ ہونے کے باوجود خود غلط ہے کیونکہ ان کا مماشاۃ (ساتھ چلنا) ثابت نہیں اور اگر آپ شیعہ کو اس عالم کا خصم بنائیں؟ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ شیعہ اس مسئلہ میں اجتہاد کے قائل نہیں تو مماشات کیسے ہوا؟

**تنبیہ نمبر ۱۲:۔**

# ڈاکٹر جلالی کی غلطیاں

مولوی چمن زمان اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۱ پر لکھتے ہیں:۔

بات واضح ہے کہ اگر خطیب مذکور کی نیت خطاء اجتہادی کی تھی تو پہلے ہی مرحلے میں اس کی وضاحت میں کہہ دیا جاتا۔ کئی دنوں تک شور شرابا ہونے، موصوف کی جانب سے اہلِ علم، کو برا بھلا کہنے، ویڈیو کلپ جاری کرنے کے بعد اگلے مرحلے میں تاویل آنے سے صاف ظاہر ہے کہ متنازع گفتگو میں اجتہادی خطاء کا ارادہ نہ تھا...... ورنہ اس ارادہ کے اظہار میں اتنی تاخیر اور اظہار سے پہلے معترضین کی مذمت اور ان پر لعن طعن کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

جواباً عرض ہے کہ یہ بات ہم بھی مانتے ہیں کہ ڈاکٹر جلالی نے اپنے دفاع میں جو خطابات کیے ہیں ان میں ڈاکٹر موصوف سے کئی چھوٹی بڑی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ان کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی غلط تشریح

کی۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ اپنی اس غلطی کو صحیح سمجھا۔ تیسری غلطی یہ تھی کہ اس غلطی کو صحیح سمجھ کر اس پر اڑ گئے۔ چوتھی غلطی یہ تھی کہ اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پانچویں غلطی یہ تھی کہ اس کو صحیح ثابت کرنے کا غلط راستہ اختیار کیا، چھٹی غلطی یہ تھی کہ اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے سلسلہ میں غلط دلائل قائم کیے اور غلط ضابطہ وضع کیا۔ اور ساتویں غلطی یہ تھی کہ اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کیلئے علماء کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور ان کو برا بھلا کہا۔

علم خواہ کتنا ہی محتاط کیوں نہ ہو اگر اس کیساتھ روحانیت کی کمی ہو تو وہ اپنے ساتھ غرور و تکبر کی رنگ رنگیلیاں ضرور لاتا ہے۔ پہلے ہی مرحلے میں اپنی مراد ظاہر نہ کرنے کی صحیح وجہ یہی ہے جس کو ہم بیان کر رہے ہیں یعنی روحانیت کی کمی وجہ سے اپنے علم پر غرور و گھمنڈ کرتے ہوئے اپنی غلطی کو نہ ماننا بلکہ اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ مثل مشہور ہے کہ ''ایک جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں''۔ آپ یہ بھی دیکھیں کہ بعض سنیوں نے ان کو کنز العلماء کا جو خطاب دے رکھا تھا انہوں نے اپنے دفاع کیلئے اپنا کنز ظاہر تو کرنا ہی تھا۔ لہٰذا گزارش یہ ہے کہ جب ان کے کلام میں خطاء اجتہادی کا مراد ہونا متعیّن ہے اگر وہ تاویل نہ بھی کرتے تو پھر بھی قرینہ صارفہ کے موجود ہونے کی وجہ سے خطاءِ اجتہادی ہی مراد ہوتی جیسا کہ ہم نے ''منطق کے قاعدہ سے مسئلہ متنازعہ کا حل'' کے عنوان کے تحت اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اسلیئے مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں کی جناب میں عرض ہے کہ آپ لوگ بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑیں اور ان کی صحیح تاویل کو قبول کر لیں اگر چہ وہ ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے ان کی طرف سے بعد میں ظاہر کی گئی ہے۔

مولوی چمن زمان اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۴۰ پر لکھتے ہیں:۔

بنیادی بات یہ ہے کہ خطیب مذکور نے اپنی متنازع گفتگو پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوتے ہی ''خطاء اجتہادی'' کی تاویل نہیں کی۔ اعتراضات کا سلسلہ چل نکلا۔ موصوف کے حمایتیوں بلکہ خود موصوف کی جانب سے معترضین کو برا بھلا کہا گیا۔ موصوف نے ویڈیو کلپ کیذریعے اپنے کہے ہوئے جملوں کو درست قرار دیتے ہوئے تمام اہلِ علم کو چیلنج کیا کہ اگر پیر صاحب کی گفتگو کے یہ معنی نہیں تو آپ لوگ اس کے درست معنی کر کے

دکھائے۔ موصوف کی گفتگو ملاحظہ ہو۔

میں سب کو بانگِ دہل کہہ رہا ہوں: آپ کے پاس چند گھنٹے ہیں اگر رتی بھر بھی غیرت ہے دین کی آپ لوگوں کے اندر تو پیر مہر علی شاہ صاحب کی اس عبارت میں جو مخالفین کی دلیل اور اس کا جو جواب پیر صاحب نے دیا ہے یا اپنے لفظوں میں یہ وضاحت کر کے دیں کہ پیر صاحب نے اس میں کیا لکھا ہے۔ اور اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ میں نے کوئی غلط بات کی یا جو پیر صاحب نے کہا میں نے وہ ذکر کیا۔ لہٰذا جتنے بھی لوگوں کو جوشِ خطابت کا گھمنڈ ہے یا علم کا گھمنڈ ہے وہ پیر صاحب کی اس گفتگو کو بیان کر کے والعن ایپ کریں۔ (انتہی) (مولوی چمن زمان کی کتاب صفحہ ۱۴۰-۱۴۱)

ڈاکٹر جلالی کی اس گفتگو سے ہمارے اوپر کے بیان کی خوب تائید ہوتی ہے۔ یعنی ڈاکٹر جلالی نے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی جو غلط تشریح کی ہے وہ اس گفتگو میں صاف لفظوں میں اس کو صحیح کہہ کر اپنی غلطی نہیں مان رہے بلکہ اس غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تمام علماء کو بانگ دہل مناظرہ کا چیلنج دے رہے ہیں۔ اس سے ڈاکٹر موصوف کے غرور و تکبر کا اظہار بھی ہو رہا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ باقی رہی حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی غلط تشریح تو اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ شیعہ مذہب والوں نے آیتِ تطہیر کو دلیل بناتے ہوئے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ تطہیر کے بموجب اہلِ بیت علیہم الرضوان کو پاک گردانا۔

لہٰذا حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا باغ فدک کا دعویٰ کرتے ہوئے کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں۔ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھا کہ:۔ آیتِ تطہیر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی خطاء سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی۔ (تصفیہ مابین سنی و شیعہ ص ۷۶)

ڈاکٹر جلالی نے اپنے خطاب میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کی تشریح یوں کی ہے:۔

یعنی یہ فرمایا کہ مسئلہ باغ فدک میں یہ روافض تم دلیل نہ بناؤ کہ معصوم تھیں تو مانگنا

ہی حق کی دلیل ہے۔ فرمایا کہ نہیں خطاء کا امکان تھا اور خطا پر تھیں جب مانگ رہی تھیں خطا پر تھیں۔ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۷۵-۷۶)

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے امکانِ خطا کا ذکر کیا تھا ڈاکٹر جلالی نے اپنی تشریح میں اس امکان کو وقوع بنا دیا۔ یہ کس قدر فاش غلطی ہے مگر اس پر اڑ گئے اور امکان کو وقوع پر محمول کرنے کیلئے یہ غلط ضابطہ وضع کیا۔

ان الامکان اذا کان متعلقا بالماضی کان مستلزما للوقوع

یہ ضابطہ عربی زبان میں وضع کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا۔

ماضی کیساتھ جب امکانِ شئی کا تعلق ہو تو وہ اس شئی کے وقوع کو مستلزم ہوتی ہے۔ (انتہیٰ) (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۱۰)

یہ غلط ضابطہ انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت کو (جو اعلیٰ حضرت نے مسئلہ امکانِ کذب کی تفصیل میں بیان کی ہے) غلط سمجھنے کی وجہ سے وضع کیا ہے۔

اس غلط ضابطہ سے جو خرابیاں لازم آتی ہیں ان کو مولوی چمن زمان نے پوری تفصیل سے بیان کیا ہے میں انہیں کے حوالے کرتا ہوں۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان کی ان غلطیوں کے ذمہ دار وہ سنی علماء بھی ہیں جنہوں نے ان کے ابتدائی کلام کو حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی گستاخی قرار دیکر ان پر اعتراضات کی بارش کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ جذبات میں آگئے، اور علم و تحقیق سے وابسطہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دفاع میں کیا کچھ کر ڈالا۔ لہٰذا گزارش یہ ہے کہ آپ لوگوں نے جب ان کو کنز العلماء کا خطاب خود دیا تھا تو کم از کم اس کی لاج تو رکھتے۔

بہر حال اب یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے۔

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴ بروایت حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالی عنہ باب بیان ان الدین النصیحۃ)

ترجمہ دین خیر خواہی ہے۔ ہم نے عرض کی کسی کی (خیر خواہی؟) فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے امام کی اور عام مسلمانوں کی۔

پس غور کیجئے! اس حدیث کے پیش نظر ڈاکٹر جلالی کی خیر خواہی کیا ہے؟ کیا یہی کہ ہر ممکن ان کو حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گستاخ ثابت کیا جائے؟ یا یہ کہ جہاں تک ہو سکے ان کے کلام کی صحیح توجیہ کر کے ان کو کفر اور گستاخی سے بچایا جائے میرا ایمان تو دوسری بات کو ترجیح دیتا ہے۔ ورنہ یہ جھگڑا کبھی ختم نہ ہوگا۔ سنی دو مستقل گروہ بن کر ہمیشہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے رہیں گے اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خلاف درج ذیل شعر کا مصداق بن جائیں گے۔

؎ نہ مدعی تم ہمیں دیتے نہ فریاد ہم یوں کرتے
نہ بستہ راز کھلتے نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

تنبیہ نمبر ۱۳:۔

# عرف کے شبہ کا جواب

مولوی چمن زمان نے اپنے کتاب کے صفحہ ۲۰ تا ۲۳ بعض فقہاء کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ تعظیم و توہین کا مدار عرف پر ہے۔ اہلِ عرف جسے بے ادبی سمجھیں وہ بے ادبی ہی ہوگی چنانچہ ص ۲۱ پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اور شک نہیں کہ تعظیم و توہین کا مدار عرف و عادت پر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۳۶۳)۔ پھر صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:۔

یہاں اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ اگر ''خطاء'' سے ''خطاء اجتہادی'' مراد لینا درست ہو جب بھی خطیب مذکور کی اولین گفتگو بے ادبی ہی رہے گی۔ کیونکہ اس میں لفظ خطا مطلق تھا جس سے اہلِ عرف قصور، گناہ، جرم، تقصیر، غلطی کے معنی سمجھتے ہیں اور بے ادبی شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا بعد کی تخصیصات کئی ماہ پہلے ہونے والی مطلق گفتگو جو عرف میں بے ادبی شمار کی گئی، اس کو بے ادبی کے دائرے سے نہ نکال پائیں گی۔ انتہی

جواباً عرض ہے کہ اہلِ عرف کلام کے معنی اور اس کے انداز کو خوب سمجھتے ہیں پھر

یہ تو تھی بھی اردو زبان کی گفتگو جو کہ قومی زبان ہے جسے ہر خاص و عام جانتا ہے۔ اور اہلِ عرف چاہے وہ عوام الناس ہوں اتنا تو جانتے ہی ہیں کہ کسی مسئلہ میں بیان کئے ہوئے لفظ خطا اور عام محاورے میں بولے گئے لفظِ خطاء میں فرق ہے۔ اور گفتگو میں سیاق و سباق کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر جلالی کے خطاب میں بولے گئے مطلق خطا میں اگر ان کو کوئی بے ادبی محسوس ہوتی تو وہ اسی وقت اعتراض کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ آخر کیوں؟ مولوی چمن زمان کے یہ الفاظ "کئی ماہ پہلے ہونے والی مطلق گفتگو" بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ متنازعہ الفاظ کئی ماہ پہلے بولے گئے اور ان کے بے ادبی ہونے کا اعتراض کئی ماہ بعد معرض وجود میں آیا۔ ایسا کیوں ہوا؟

مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں سے گزارش ہے کہ اگر ڈاکٹر جلالی کی پہلی گفتگو میں لفظِ خطا کے مُطلق ہونے سے اہلِ عرف نے بے ادبی کے معنی سمجھے تھے جیسا کہ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے تو اسی وقت اس پر گرفت کیوں نہ ہوئی؟

کئی ماہ پہلے ہونے والی گفتگو اگر عرف میں بے ادبی شمار کی گئی تھی تو اس عرف کا اظہار کئی ماہ بعد کیوں ہوا؟ جس کا جواب ڈاکٹر جلالی کو دینا پڑا۔

اس سے تو ہر عقلمند آپ لوگوں کی نیت پر شک کرے گا اور اس کیلئے اس بات کو سمجھنا کوئی مشکل نہ ہوگا کہ ڈاکٹر جلالی کے خلاف کئی ماہ تک منصوبہ تیار ہوتا رہا اور پھر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت یہ عرف بنالیا گیا اور اس کی بنیاد پر یہ فتویٰ جڑا گیا۔ پس جب اس فتویٰ کی بنیاد ہی فاسد ہے تو اس میں لگایا ہوا حکم کیسے درست ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ ایسا عرف مسلمانوں میں نہ پہلے کبھی معرضِ وجود میں آیا اور نہ ہی اس دور میں دیکھا گیا کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ہے اس لئے کہ خطاء اجتہادی کی نسبت یا مطلق خطاء جو خطاء اجتہادی کے معنیٰ میں ہو اس کی نسبت ہر دور میں ہوتی رہی ہے، کتابوں میں موجود ہے، خطباء اپنی تقریروں میں ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں، مگر کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی نے اس کو بے ادبی اور گستاخی قرار دیا ہو۔ مولوی چمن زمان کے ہم خیالوں میں سے ایک بڑی شخصیت سید عرفان شاہ مشہدی کو میں نے خود ایک ویڈیو کلپ میں سنا اور دیکھا ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطا کی نسبت کر رہے ہیں۔

لہٰذا گزارش ہے کہ اگر اس دور کے عرف میں یہ بے ادبی اور گستاخی ہے تو ان کیلئے یہ عرف کیوں بدل گیا؟ حالانکہ دور یہی ہے وہ ابھی زندہ موجود ہیں پس اس عرف کی بنیاد پر ان کو کیوں بے ادب اور گستاخ نہیں کہا گیا؟

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ پہلے زمانے کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ جب ان کی کوئی بڑی شخصیت گناہ کرتی اس کو بچالیتے اور چھوٹوں پر حد جاری کرتے۔ فرمایا: اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کریگی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۴)

لہٰذا نہایت ادب سے عرض ہے کہ حکمِ شرع کے معاملہ میں چھوٹے بڑے میں فرق نہ کریں۔

**تنبیہ نمبر ۱۴:۔**

# تتبع زلاتِ علماء کا جھوٹا الزام

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے ص ۲۱۸ پر لکھا ہے:۔

خطیبِ مذکور اپنی غلطیوں کو درست ثابت کرنے کی خاطر کتب تفاسیر و شروح سے کوئی نہ کوئی عبارت ایسی نکال کر لا رہا ہے جس کے ذریعے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ بے ادبی صرف مجھ سے نہیں ہوئی بلکہ علماء اسلام کی ایک بڑی اکثریت ایسی بے ادبی کی مرتکب ہوئی ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔

اس سلسلے میں پہلی چیز یہ ذہن نشین رہے کہ خطیب مذکور اب تک کوئی ایک بھی ایسی عبارت نہیں لا سکا جو محلِ نزاع سے متعلق ہو۔ سب سے پہلے فواتح الرحموت کی عبارت کا دعویٰ کیا جس کا راقم الحروف نے سات وجہ سے رد کیا کہ اس کا محلِ نزاع سے تعلق ہی نہیں بلکہ اس کا حوالہ پیش کرنا ہی خطیب مذکور کی کوتاہ فہمی کی دلیل ہے۔ انتھی کلامہ۔

میں کہتا ہوں گمراہی کا منہ کالا۔ ''تتبع زلاتِ علماء'' کا عنوان قائم کر کے مولوی چمن زمان نے ڈاکٹر جلالی کی پیش کردہ عبارات کو زلاتِ علماء (علماء کی لغزشیں) قرار دیا ہے حالانکہ یہ سفید جھوٹ اور اکابرینِ امت پر صریح بہتان ہے۔

مولوی چمن زمان سے کوئی پوچھے کہ ڈاکٹر جلالی نے تفسیر کبیر کے حوالہ سے خود

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو قول پیش کیا ہے جس میں آپ نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا ہے۔ ولکنی لا اعرف صحۃ قولک لیکن مجھے آپ کی بات کا صحیح ہونا معلوم نہیں ہو رہا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۰۶ زیرِ آیت ۶ سورۃ حشر)

کیا مولوی چمن زمان کے نزدیک یہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زلت (لغزش) ہے؟ حالانکہ اس کے صحیح ہونے پر تمام اہلِ سنت کا اجماع ہے۔ اس کا تعلق محلِ نزاع سے کسی طرح نہیں؟ حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطالبہ فدک کے متعلق ہے۔

جی ہاں! ڈاکٹر جلالی نے ان عبارات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف مسئلہ فدک میں خطاء بمعنیٰ خطاء اجتہادی کی نسبت کرنا ان کی بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے ورنہ صرف مجھے نہیں بلکہ اکابرین اہلِ سنت کی ایک بڑی اکثریت کو بے ادب اور گستاخ کہنا لازم آئے گا۔

مولوی چمن زمان اور ان کے ہم خیالوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے صرف جھوٹے واویلے کر کے گلوخلاصی کرنا چاہتے ہیں۔

رہی فواتح الرحموت کی عبارت اس کی قدرے تفصیل تو آگے آئیگی یہاں پر عرض یہ ہے کہ اس عبارت میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس لغزش کا ذکر ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ رسول سننے کے بعد ان سے سرزد ہوئی کہ انہوں نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ناراضگی کا اظہار کر کے آپ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اب اگر اس لغزش کی بنیاد صرف حدیث رسول سننے پر رکھی جائے تو یہ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت بڑی گستاخی ہوگی کیونکہ یہ حدیث کے انکار کو مستلزم ہے لہٰذا اس کی بنیاد آپ کی اجتہادی خطاء پر رکھی جائے گی اور کہا جائے گا کہ چونکہ آپ کے اجتہاد میں یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں بلکہ باغ فدک اس کے حکم سے مستثنیٰ یا اس کے عموم سے مخصوص تھا۔ اس اجتہاد میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے موافقت نہیں فرمائی کیونکہ ان کے نزدیک آپ کا اجتہاد خطاء پر مبنی تھا تو یہ آپ کے ہجران کا سبب بنا۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ آپ کے ہجران (یعنی حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے جلنے کو چھوڑنا) آپ کی خطاء اجتہادی سے ہوا تو فواتح الرحموت کی عبات کا تعلق بھی محل نزاع سے ثابت ہو گیا۔

نیز مولوی چمن زمان نے یہاں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کیونکہ نزاع صرف حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت میں نہیں ہے بلکہ نزاع اس میں ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف مطلق خطاء کی نسبت صحیح تاویل سے اگر کسی مسئلہ شرعیہ کی وضاحت کی ضرورت کے تحت ہو تو کیا یہ آپ کی بے ادبی اور گستاخی ہے یا نہیں؟ عام اس سے کہ اس سے خطاء اجتہادی کی نسبت مراد ہو یا لغزش کی نسبت۔ حالانکہ لغزش میں خطاء اجتہادی خطا سے بڑھ کر ہے۔ مولوی چمن زمان جن سات وجوہ کا ذکر کر رہے ہیں ان میں مولوی چمن زمان نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ فواتح الرحموت کی عبارت کا تعلق اجتہادی خطاء سے نہیں بلکہ لغزش سے ہے۔ پس گزارش یہ ہے کہ اگر اس کا تعلق لغزش سے بھی ہو تو حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطاء کی نسبت کرنا پھر بھی ثابت ہو گیا کیونکہ لغزش بھی ایک قسم کی خطاء ہے بلکہ خطاء اجتہادی سے بڑھ کر خطا ہے۔ تو جب ضرورتاً یعنی شرعی مسئلہ کی وضاحت کیلئے اس کی نسبت حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کرنا جائز ہے تو ضرورتاً یعنی شرعی مسئلہ کی وضاحت کیلئے خطاء اجتہادی یا مطلق خطاء جس سے مراد خطاء اجتہادی ہو اس کی نسبت آپ کی طرف کرنا کیوں بے ادبی اور گستاخی ہے؟

**تنبیہ نمبر ۱۵:۔**

# انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں کا ذکر

مولوی چمن زمان اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھتے ہیں:۔

خطیب مذکور اور اس کے حامی موصوف کی غلطی کو درست ثابت کرنے کیلئے کبھی انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں: جب نبیوں سے اجتہادی خطاء ہو سکتی ہے تو سیدہ فاطمہ سے کیوں نہیں ہو سکتی؟

ہمارے علماء نے اس اسلوب کو بے ادبی قرار دیا ، بلکہ بعض ائمہ نے بعض

اسالیب پہ قائل کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ انبیاءِ کرام ورسلِ عظام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے قرآن عظیم میں جو کچھ ذکر کیا گیا اسے تلاوتِ قرآن وقرائتِ حدیث کے علاوہ بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اور اگر بیان کرنے والے کے انداز سے بے ادبی جھلکے (یعنی بے ادبی ظاہر ہو۔ ازفقیر عطا محمد نقشبندی) تو اس پر حکم کفر بھی صادر فرمایا۔ انتہی کلامہ۔

میں کہتا ہوں بیشک انبیاءِ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بے ادبی و گستاخی کفر ہے۔ لیکن آپ لوگ بھی انصاف کریں۔ ڈاکٹر جلالی اور ان کے حامیوں نے حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادی آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بطور حکایت اپنے مخالفین کے غلط اعتراض کو دفع کرنے کیلئے ذکر کیا ہے: حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی اور خطاءِ اجتہادی معصیت نہیں ہوتی (تفسیر خزائن العرفان سورۃ بقرہ زیر آیت ۳۶)

غلط اعتراضات کو دفع کرنے کیلئے اکابرین اہلِ سنت نے انبیاءِ کرام کی لغزشوں کا بکثرت ذکر کیا ہے۔ یہ تلاوتِ قرآن اور روایتِ حدیث کے علاوہ ہے پھر بھی اس کو منع نہیں جانا۔ کیونکہ ضرورتِ شرعیہ کے تحت باطل کو رد کرنے کیلئے تھا۔ ڈاکٹر جلالی اور ان کے حامیوں نے بھی ضرورتِ شرعیہ کے تحت باطل کے رد کیلئے ان کا ذکر کیا۔ اور متفقہ اعلامیہ میں یہ بات ذکر نا بھی باطل کے رد کیلئے تھا۔ لہٰذا ان کا یہ طرزِ عمل اکابرینِ اہلِ سنت کے مطابق ہے اگر یہ ناجائز، حرام اور گستاخی ہے تو اکابرینِ اہلِ سنت پر کیا فتویٰ لگاؤ گے۔ امام بیضاوی پر کیا فتویٰ لگے گا جنہوں نے حشویہ کے دلائل میں انبیاءِ کرام کی لغزشوں کا ذکر کیا۔ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی نے تو عصمت انبیاء پر پورا رسالہ لکھ رکھا ہے ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے؟

**تنبیہ ۱۶:۔**

## متفقہ اعلامیہ پر اعتراض کا جواب

ڈاکٹر جلالی نے اپنے چند شاگردوں اور دوسرے ہم خیالوں کو بٹھا کر چند نکات پر مشتمل ایک متفقہ اعلامیہ جاری کیا جس کا چوتھا نکتہ یہ تھا:۔

ہم اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک انبیاءِ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں جبکہ ان سے معصومیت کے باوجود خطائے اجتہادی کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع بھی مانا گیا ہے کیونکہ خطائے اجتہادی نہ معصیت ہے نہ عیب ہے۔ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۳۱)

مولوی چمن زمان نے ''انبیائے کرام کی تکذیب و گستاخی'' کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت لکھا ہے:۔

اس اعلامیہ میں خطیب مذکور اور ان کے مشیرین انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تفصیل جاننے سے پہلے متفقہ اعلامیہ کا چوتھا نکتہ ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔

''ہم اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک انبیاءِ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں جبکہ ان سے معصومیت کے باوجود خطائے اجتہادی کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع بھی مانا گیا ہے'' اس جملہ میں انبیاءِ کرام کی جانب ایک ہی اسلوب میں تین چیزوں کی نسبت کی جارہی ہے۔ (۱) عصمت (۲) امکانِ خطا (۳) وقوعِ خطا پُر ظاہر کہ انبیاءِ کرام کی جانب عصمت کی نسبت ''کل واحد'' کے لحاظ سے ہے نہ کہ فقط '' باعتبار مجموع '' ورنہ انبیاءِ کرام کا خاصہ نہ رہے گا...... لہٰذا امکانِ خطا کی نسبت بھی انبیاءِ کرام کی جانب ''کل واحد'' کے لحاظ سے ہوگی اور یوں ہی ''وقوعِ خطا'' کی بھی۔ بنابریں متفقہ اعلامیہ کی اس عبارت کا مطلب یہ بنے گا کہ: جیسے ہر ہر نبی معصوم ہے، یوں ہی ہر ہر نبی سے اجتہادی خطاء ممکن بلکہ ہر ہر نبی سے اجتہادی خطا واقع...... معاذ اللہ من ذلک۔

جب آپ ہر ہر نبی کے نام بلکہ یقینی تعداد سے بھی واقف نہیں تو ہر ہر نبی سے ''وقوعِ خطا'' کی اطلاع آپ کو کہاں سے ہوگئی ؟؟؟ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

آپ نے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے ''متفقہ اعلامیہ'' عنوان تو دے دیا لیکن مضمون ایسا لکھا جو انبیاءِ کرام پہ افتراء اور انبیاءِ کرام کی تکذیب کو مستلزم، (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۳۲ تا ۲۳۴ التقاطاً)

جواباً عرض ہے کہ آپ ذرا منطق سے نکل کر فقہ کی طرف بھی آئیں اور فقہاء کے کلام کو بھی دیکھ لیا کریں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

آپ فقہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو بہت سے مسائل فقہ میں ایسے ملیں گے جو حقیقت میں کسی قید کیساتھ مقید ہوں گے مگر ان کے لکھنے والے (مصنف کتاب) نے ان کو مطلق چھوڑ دیا ہوگا۔ ہم آپ کو کسی بڑی کتاب کے دیکھنے کی زحمت نہیں دیتے آپ صرف نور الایضاح پر مولوی محمد اعزاز علی دیو بندی کا تحریر کردہ حاشیہ ہی دیکھ لیں۔ اس میں مولوی محمد اعزاز علی دیو بندی جگہ جگہ لکھتے ہیں اَطْلَقَهُ وَهُوَ مُقَيَّدٌ یعنی مصنف کتاب نے اس مسئلہ کو مطلق بیان کیا ہے حالانکہ یہ مقید ہے۔

تو کیا ایسی صورت میں منطق چلا کر اس مسئلہ کو خراب کرنا اور پھر اس کے مصنف پر یہ الزام لگانا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ مصنف کتاب نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تکذیب کی ہے یا ان پر افتراء کیا اور بہتان باندھا ہے۔ صحیح ہوگا؟ یا ایسی حرکت کرنے والے کو فقہاء پر بدگمان اور فقہاء کا مفتری قرار دیا جائیگا۔ مولوی چمن زمان خود ہی بتائیں کیونکہ۔

تیرا حال ظلمتوں سے ہے بھرا
تجھے کیا کہوں تو خود ہی بتا

اگر ہم سے پوچھنا ہی ہے تو ہم آپ کو فقہاء کی زبان میں ان کا بیان کردہ ایک عظیم فائدہ دکھاتے ہیں انشاء اللہ اس سے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے اور آپ آئندہ بشرط انصاف کسی عالم کی تحریر کردہ اہم بات کو خراب کر کے ان پر الزام لگانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ حضرت فقیہ اعظم مفتی نور اللہ نعیمی صاحب ثانی ابی حنیفہ علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہما کی کتاب بحر الرائق ج اص ۲۷ سے ناقل ہیں۔

ان طلاقات الفقهاء فی الغالب مقيدة بقيود يعرفها صاحب الفهم المستقيم الممارس للاصول والفروع وانما يسكتون عنها اعتمادا على صحة فهم الطالب (فتاوی نوریہ ج ۲ ص ۵۶۹)

ترجمہ: بے شک اطلاقات فقہاء اکثر کچھ قیود کیساتھ مقید ہوتے ہیں جن کو صحیح سمجھ رکھنے والا جو اصول وفروع کا ماہر ہو پہچان لیتا ہے اور فقہاء مسئلہ کے طالب کی صحت فہم پر اعتماد کرنے کی وجہ سے ان قیود (کو بیان کرنے) سے سکوت اختیار کرتے ہیں (ترجمہ از فقیر عطا محمد نقشبندی)

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فائدہ فقہاء کے کلام کو صحیح سمجھنے کیلئے بیان کیا ہے لہٰذا یہ ''مولانا اشرف آصف جلالی اور ان کے ماہر شاگردوں اور جامعہ کے ماہر استادوں اور دیگر ہم خیال ساتھیوں جن کی موجودگی میں یہ متفقہ اعلامیہ تحریر کیا گیا'' کے اتفاق رائے سے تحریر کردہ متفقہ اعلامیہ کو صحیح سمجھنے کیلئے بھی کارآمد ہو سکتا ہے کیونکہ بظاہر کہ یہ سب حضرات فقاہت سے خالی نہیں ہیں۔

لہٰذا مولوی چمن زمان سے عرض ہے کہ علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ اس عظیم فقہی فائدہ کی روشنی میں متفقہ اعلامیہ کے چوتھے نکتے کی عبارت اس قید کیساتھ مقید ہے کہ ''جن انبیاءِ کرام سے خطاءِ اجتہادی کا وقوع پایا گیا صرف ان سے معصومیت کے باوجود خطاءِ اجتہادی کا وقوع بھی مانا گیا''

تمام انبیاء کرام کے بارے میں یہ بات کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ اتنے زیادہ علماء متفقہ طور پر ایسی غلط بات کہیں اور پھر اس کو متفقہ اعلامیہ کا ایک نکتہ بنا کر شائع کر دیں۔

لہٰذا مولوی چمن زمان کا یہ مفروضہ اپنے دل سے گھڑ کر منطق کے زور پر اسے متفقہ اعلامیہ کے چوتھے نکتے کی عبارت کا مطلب بتانا اور پھر بعض انبیاء مثلاً حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ ان سے کونسی اجتہادی خطائیں سرزد ہوئیں؟ سب بے کار اور بناء القاسد علی الفاسد ہے اور اس منطقی مفروضے کی بنیاد پر اتنے کثیر سنی علماء پر اتنا بڑا بہتان باندھنا کہ معاذ اللہ انہوں نے انبیاءِ کرام کی تکذیب اور انتہائی بے ادبی کی ہے۔ مولوی چمن زمان کی بہت بڑی زیادتی اور ایک عظیم گناہ ہے۔ اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مولوی چمن زمان نے اپنی تائید میں ایسی عبارتیں بھی پیش کی ہیں جو انبیاء کرام.......... کی تکذیب کرنے والوں کے متعلق ہیں اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے البتہ خطیب مذکور اور اس کے اتحادیوں پر توبہ بہر حال لازم (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۳۷)

اور مولوی چمن زمان قرآن پاک کی یہ آیت بھول گئے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (سورۃ احزاب آیت ۵۸)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر ان کے کئے (جھوٹا الزام لگا کر) تکلیف دیتے ہیں تو یقیناً انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

مولوی چمن زمان کو اگر قرآن پاک کی یہ آیت یاد ہوتی تو وہ اتنے زیادہ سنی علماء پر اتنا بڑا بہتان باندھ کر ایسا عظیم گناہ اپنے ذمہ نہ لیتے۔ ان پر توبہ لازم نہیں بلکہ بشرط انصاف خود مولوی چمن زمان پر توبہ لازم ہے۔ ابھی وقت ہے جلد ہی توبہ کریں۔

تنبیہ نمبر ۱۷:۔

# ڈاکٹر جلالی کا خطرناک کلام

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کے کلام میں اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے وہ باتیں سب سے زیادہ خطرناک ہیں جن میں انہوں نے قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہا کہ معاذ اللہ انہوں نے کلمۂ کفر بولا اور یہ کہ جس لفظ کا اطلاق ذات کریم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر حرام اور کفر قرار دیا ہے اسی کے متعلق کہا کہ وہ قرآن پاک میں ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر بولا گیا اس کا ظاہری مفہوم بھی بہت خطرناک ہے۔ ہم انبیاءِ کرام کے معاملہ میں معمولی بے احتیاطی سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

مولوی چمن زمان صاحب لکھتے ہیں:۔

بہر حال: موصوف نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے قرآن عظیم کی مبارک آیت:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

(سورۃ انعام آیت ۷۶) میں سے "ھذا ربی" پہ گفتگو کرتے ہوئے انتہائی خطرناک جملے بولے۔ کہنے لگے۔

ہوں اللہ تعالیٰ کے خلیل اور ستارے کو اپنا رب کہہ دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا...... (انتہیٰ) (خطاب ۱۸ جون ۲۰۲۰ء)

مولوی چمن زمان آگے چل کر لکھتے ہیں۔

خطیب مذکور کی جملہ مذکورہ کے بعد والی گفتگو ملاحظہ ہو:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ

اب هذا کس پر بولا؟؟؟ ستارے پر... یہ جملہ ستارے کے لحاظ سے میں کہوں آپ کہیں کوئی کہے تو کفر ہوگا کہ ستارہ تو رب نہیں۔ رب تو وحدہ لاشریک اللہ ہے۔

تو اب؟؟؟ هٰذَا رَبِّیْ... قرآن کہہ رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ستارے کے بارے میں کہا (انتھی) (خطاب ۱۸ جون ۲۰۲۰ء)............

قارئین کرام! یہاں صرف قرآنِ عظیم کی مبارک آیت "هذا ربی" کو غیر نہیں کہا جارہا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کہا......

میں موصوف کے حامیوں سے کہوں گا کہ اس کی کیا توجیہ کریں گے؟؟؟

مولوی چمن زمان کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

چند منٹ بعد کہا:

یہ بھی اس چیز کی مثال ہے کہ جواب دیتے وقت کہ کچھ مجبوریاں اور ہیں کہ وہ اس کے اندر عام لفظ استعمال کرنا، اب یہ وہ مقام ہے جس کے اندر وہ لفظ عام استعمال کرنا کفر اور حرام ہے......لیکن کہا گیا ہے۔ مقابل کے مسلمات اور اس کے نظریے کے مطابق" (انتھی)

مولوی چمن زمان کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

اسطرح کا معاملہ آیۃ مبارکہ

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

(سوۃ سبا آیت ۲۵) کیساتھ کیا۔

موصوف کی گفتگو ملاحظہ ہو:۔

قل لاتسئلون عما اجرمنا......کافروں سے آپ یہ فرمادیں......

کیا فرمائیں؟؟؟ اب وہ جو لفظ ہیں اگلے وہ ہماری زبانیں بولنے سے اپنے طور پر قاصر ہیں..........وہ لفظ ہے اَجْرَمْنَا..... جو عام ایک صیغہ کے طور پر کوئی پوچھے تو اس کا

مطلب ہے: ہم نے جرم کیا.....اَجۡرَمۡنَا.....ہم نے جرم کیا۔ یہ ہم کونسی ذات کا یہاں ذکر ہورہا ہے اجرمنا میں؟

یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنا ذکر کررہے ہیں۔ اور رب کروارہا ہے۔ "قل" محبوب آپ فرمادو (خطاب ۱۸ جون ۲۰۲۰ء) بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

اجرمنا یہاں جو لفظ بولا گیا وہ براہ راست ذاتِ رسول علیہ اسلام پر بولنا کفر ہے حرام ہے کہ اس میں جرم کی نسبت کی جارہی ہے اور قرآن میں یہ بولا گیا تو کس پر بولا گیا؟؟ حالانکہ دوسرا کوئی لفظ لکھا ہوا نہیں ہے۔ (خطاب ۱۸ جون ۲۰۲۰ء)

"اَجۡرَمۡنَا" کا ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیلئے اطلاق حرام اور کفر بتانے کے باوجود کہہ رہے ہیں "اور قرآن میں یہ بولا گیا"

یعنی جو اطلاق کفر ہے حرام ہے وہ قرآن عظیم میں موجود ہے نہ جانے وہ اور ان کے حامی اس گفتگو کی کیا تاویل کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ موصوف کی گفتگو شدید خطرناک ہے.....اعاذنا اللہ من ذلک۔

مولوی چمن زمان اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

خطیب مذکور پر لازم کہ اپنی اس قسم کی گفتگو سے اعلانیہ توبہ کرے۔ لکن لا نکفرہ متی امکن حمل کلامہ علی محمل حسن (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۰۲ تا ۲۰۷ التقاطاً)

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ ڈاکٹر جلالی کا گناہ ہے اور ان پر توبہ لازم ہے تو اس گناہ میں وہ علماء بھی شریک ہیں جنہوں نے ڈاکٹر جلالی کی پہلی گفتگو کے معاملہ میں حد سے تجاوز کرکے ان کو اس گناہ پر اکسایا اور مجبور کیا ہے۔ لہٰذا وہ بھی توبہ کریں کیونکہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے۔[1]

رہی انکے اس خطرناک کلام کی تاویل و توجیہ تو ایک سنی عالم اور خادم و مبلغ دین ہونے کے ناطے میں ان کی طرف سے اس کی تاویل و توجیہ پیش کرتا ہوں۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

اولاً گزارش یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف کہنا یہ چاہتے تھے کہ اپنے مدمقابل کو جواب دینے کے موقع پر بعض دفعہ ضرورتاً کوئی ایسی بات کہہ دی جاتی ہے جس کا ظاہری مفہوم صحیح

[1] چنانچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاربعین کے اردو ترجمہ تبلیغ دین ص ۶۰-۶۱ میں ہے۔ تہمت کی جگہ سے بھی بچو ورنہ لوگ بدگمان ہوں گے اور تمہاری غیبت کیا کریں گے اور چونکہ ان کے غیبت میں مبتلا ہونے کا سبب تم ہو، اگر نہ تہمت کے موقع پر تم جاتے اور نہ ان کو غیبت کا موقع ملتا لہٰذا گناہ تم پر بھی ہوگا۔ اسلئے کہ گناہ کا سبب بھی گناہ ہے۔ انتھی

نہیں بنتا ایسی صورت میں اگر وہ بات بذاتِ خود صحیح ہو تو اس کو تاویلی معنیٰ پر محمول کرنا واجب ہوتا ہے چنانچہ قرآنِ پاک کی یہ دو آیتیں اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اس قاعدہ کے پیشِ نظر میں نے اپنے مدِ مقابل شیعہ کو جواب دیتے ہوئے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف جو مطلق خطاء کی نسبت کی ہے یہ نسبت ضرور تاً تھی اور یہ بات بذاتِ خود صحیح بھی ہے کیونکہ تمام اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ باغِ فدک کے مسئلہ میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ خطاء پر مبنی تھا صرف اس کا ظاہری مفہوم صحیح نہیں معلوم ہو رہا، لہٰذا اس کو تاویلی معنی خطاء اجتہادی پر محمول کرنا واجب ہے۔

پس ڈاکٹر موصوف جو بات کہنا چاہتے تھے وہ صحیح بات تھی مگر اس صحیح بات کو اچھے انداز میں بیان نہیں کر سکے۔ ایسی صورت میں انصاف یہ ہے کہ انکی صحیح بات کو غلط انداز میں پیش کر کے اس کو غلط معنیٰ نہ پہنایا جائے بلکہ اس کو صحیح انداز میں پیش کر کے واضح کر دیا جائے جیسا کہ میں نے کیا ہے۔ لہٰذا مولوی چمن زمان نے ان کی صحیح بات کو غلط انداز میں پیش کر کے غلط معنیٰ پہنا کر ان کیساتھ انصاف نہیں کیا۔

ثانیاً عرض ہے کہ ڈاکٹر موصوف سورۃ انعام کی آیت کے ظاہری مفہوم کو کفر کہہ رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مقابل کفار کے مسلمات اور ان کے نظریے کے مطابق یہ بات کہی ہے یعنی آپ نے اپنے طور پر یہ کلمہ کفر نہیں بولا بلکہ اپنے مقابل کفار کے مسلمات اور ان کے نظریے کے مطابق ان کے رد کیلئے یہ بات کہی ہے جیسا کہ میں نے اپنے مدِ مقابل شیعہ کے رد کیلئے اوپر والی بات کہی تھی۔ ڈاکٹر موصوف کا اپنے دفاع میں اپنی بات کی مثال بنا کر اس آیت کو پیش کرنا اس معنیٰ پر واضح قرینہ ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ اندریں صورت ڈاکٹر موصوف کی یہ تقریر مفسرین کرام کے بیان کے مطابق ہے اور بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ تمام مفسرین نے اس آیت کے ظاہری مفہوم کو کفر سمجھ کر اپنے اپنے طور پر اسکی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

(قَالَ هٰذَا رَبِّیْ) ای قال لهم هذا ربی فی زعمکم اوالمراد اهذا استهزاء بهم وانکارا علیهم (تفسیر مدارک علی هامش تفسیر خازن ج ۲ ص ۶۹)

ترجمہ: (فرمایا یہ میرا رب ہے) یعنی ان (کفار) کو فرمایا: تمھارے گمان میں۔ یا (استفہام) مراد ہے (یعنی) کیا یہ (میرا رب ہے) ان سے استہزاء کرتے ہوئے اور ان پر انکار کرتے ہوئے فرمایا:

تفسیر روح البیان میں ہے۔

(قَالَ) کانہ قیل فماذا صنع علیہ السلام حین رأی الکواکب فقیل قال علی سبیل الموافقۃ مع الخصم (هٰذَا رَبِّیْ) وکان ابوہ وقومہ یعبدون الاصنام والکواکب والمستدل علی فساد قول یحکیہ علی رأی خصمہ ثم یکر علیہ بالابطال (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۴۷ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

ترجمہ: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) گویا کہ کہا گیا: پھر ابراہیم علیہ السلام نے کیا کیا جب ستارے کو دیکھا؟ پس (قائل کے اس سوال کے جواب میں) کہا گیا کہ آپ نے مدِ مقابل کیساتھ موافقت کے طور پر فرمایا (ھذا ربی) (یہ میرا رب ہے)۔ آپ کا چچا (آزر) اور آپ کی قوم بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتی تھی۔ اور آپ اس قول کے فساد پر جس کو اپنے مدِ مقابل کی رائے پر حکایت کر رہے ہیں مستدل ہیں پھر اس پر باطل کرنے کیساتھ لوٹ رہے ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے:

(قَالَ) الزاما للکفار فانھم کانوا یعبدون الاصنام والکوکب ویعظمونھا ویرون ان الامور کلھا الیھا فاراد ان ینبھھم علی ضلالتھم ویرشدھم الی الحق من طریق النظر والاستدلال فقال هٰذَا رَبِّیْ فی زعمکم او بحذف ھمزۃ الاستفھام بمعنی اھذا ربی او قال علی سبیل الفرض فان المستدل علی فساد قولہ یحکیہ علی مایقولہ الخصم ثم یرجع علیہ بالابطال واجری بعضھم علی ظاھرہ فقال کان ابراھیم علیہ السلام حینئذ مسترشد اطالبا للتوحید حتی وفقہ

اللہ تعالی واتاہ رشدہ فلم یضرہ ذلک فی حالۃ الاستدلال
قال البغوی وکان ذلک فی حالۃ طفولیۃ قبل قیام الحجۃ علیہ
فلم یکن کفرا (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۵۸، مطبوعہ لندوۃ المصنفین دہلی)

ترجمہ: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) کفار کو الزام دیتے ہوئے (یعنی لاجواب کرنے کیلئے) کیونکہ وہ بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے اور ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ تمام معاملات ان کے سپرد ہیں پس آپ نے ارادہ کیا کہ ان کو ان کی گمراہی پر تنبیہ کریں اور انہیں نظر و استدلال کے طریقہ سے راہِ حق دکھائیں پس فرمایا یہ میرا رب ہے تمہارے گمان میں یا ہمزۂ استفہام کے حذف کیساتھ یعنی کیا یہ میرا رب ہے یا فرض کے طور پر فرمایا کیونکہ (آپ) اس قول کے فساد پر جس کو مدِ مقابل کے قول کے مطابق حکایت کر رہے تھے مستدل تھے پھر اس پر باطل کرنے کیساتھ لوٹے۔ بعض علماء نے اس کو اس کے ظاہر پر جاری کیا ہے پس انہوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت رشد و ہدایت اور توحید کے طالب تھے حتی کہ اللہ تعالی نے آپ کو اس کی توفیق دی اور آپکو آپ کی سمجھداری عطا فرمائی پس استدلال کی حالت میں یہ آپ کو مضر نہیں۔ امام بغوی نے فرمایا یہ آپ پر حجت قائم ہونے سے پہلے بچپن کی حالت میں تھا لہذا کفر نہیں ہے۔

ثالثاً عرض ہے کہ اگر بفرض غلط والمحال ڈاکٹر جلالی کے کلام میں اس آیت کا ظاہری معنی ہی مراد ہو جیسا کہ مولوی چمن زمان کا خیال ہے تو پھر بھی ان پر کفر کا فتوی لگانا صحیح نہ ہوگا کیونکہ امام بغوی جیسے اکابرین اہل سنت اس آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کر چکے ہیں پس اندریں صورت یہ فتوی ان تک جائیگا۔ اگر چہ ہمارے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ انبیاءِ کرام بچپن ہی سے توحید الہی کے عارف ہوتے ہیں لیکن اسوجہ سے ان کو کافر کہنا تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

رابعاً عرض ہے کہ سورۃ سبا کی آیت میں بھی ڈاکٹر جلالی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ اس میں لفظ اجرمنا ہے جسکے معنی ہیں ہم نے جرم کیا اور یہ لفظ حضور پاک صلی اللہ تعالی علیہ

والہ وسلم پر بولا گیا حالانکہ امت کیلئے اس لفظ کا بولنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی کے حق میں ناجائز حرام اور کفر ہے، لہٰذا اس کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ اس کا تاویلی معنیٰ مراد لینا واجب ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تاویلی ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے، تم فرماؤ ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں الخ۔ اور مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ (ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا) نہ کہ واقع میں کیونکہ نبی گناہ سے معصوم ہیں۔ (حاشیہ نور العرفان)

میری اس تشریح کے بعد ڈاکٹر جلالی کے اس کلام میں کونسی خرابی باقی رہ گئی ہے جو مولوی چمن زمان نے اتنا شور مچایا ہے۔

**تنبیہ نمبر ۱۸:۔**

# اصرار پر اعتراض اور اس کا جواب

مولوی چمن زمان نے اصرار کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت لکھا ہے:۔

خطیب مذکور کی اس بے ادبی کے بعد اکابر علماء بشمول وارث علوم غزالیٔ زماں حضور قبلہ سید ارشد سعید کاظمی شاہ صاحب نے بھی توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا۔ بعد ازاں حضرت قبلہ علامہ پیر سید نوید الحسن شاہ صاحب مشہدی (نھکھی شریف)، قبلہ پیر سید کرامت علی شاہ صاحب (علی پور شریف) استاذ الاساتذہ قبلہ علامہ عبد الستار سعیدی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)، موصوف کے اپنے استاذ گرامی قبلہ شیخ الحدیث مفتی ظہور احمد جلالی (مانگا منڈی)، حضرت قبلہ پیر میاں ولید احمد شرقپوری صاحب (شرقپور شریف) اور دیگر اکابر اہل علم اس کے ادارے میں تشریف لے گئے، لیکن موصوف اپنی غلطی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب ان کا حکم مرتکب معصیت والا نہیں بلکہ ''مصر بر معصیت والا بنے گا''
(مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۲۶۴)

جواباً عرض ہے کہ علماءِ حق اور علماءِ سوء میں بنیادی فرق یہ ہے کہ علماءِ حق ہمیشہ صلح پسند ہوتے ہیں اور علماءِ سوء فتنہ پرداز۔ الحمد للہ ہمارے مسلک کے علماء صلح پسند ہیں۔ اسی

صلح پسندی کی بناء پر علماء و مشائخ اہلِ سنت کی چند مقتدر شخصیات نے ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی غلطی سے رجوع کریں۔ اور بعض اکابر علماء و مشائخ اہلِ سنت تو اس مقصد کیلئے ان کے ادارے میں تشریف لے گئے۔

# ڈاکٹر جلالی کا معقول عذر

بعض علماء و مشائخ اہلِ سنت نے ڈاکٹر جلالی سے جس نیک نیتی کے ساتھ رجوع کا مطالبہ کیا تاکہ پھیلے ہوئے انتشار کا سدِ باب ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ لیکن اس مطالبہ کو پورا نہ کرنے کا معقول عذر ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا تھا میں نے انٹرنیٹ پر اس کے متعلق ان کا بیان خود دیکھا اور سنا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر اصرار بر معصیت کا الزام قطعاً بے بنیاد اور غلط ہے۔

اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب بعض علماء و مشائخ ان کے پاس تشریف لے گئے جن میں علامہ محمد عبدالستار سعیدی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) بھی تھے تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ یہ شریعت کا مسئلہ ہے آپ لوگ مجھے لکھ کر دیں کہ میں کن الفاظ میں رجوع کروں تاکہ کل اگر کوئی مسئلہ کھڑا ہو تو میں یہ کہہ سکوں کہ میں نے ان علماء و مشائخ کے مطالبہ پر یہ کام کیا تھا۔ ڈاکٹر جلالی نے بتایا کہ میں نے اس تحریر کیلئے ہر ایک کے سامنے کاپی اور قلم رکھ دیئے مگر انہوں نے کچھ لکھ کر دینے سے انکار کر دیا اور سارا وزن میرے اوپر ڈال دیا کہ تم خود الفاظ کا انتخاب کرو اور رجوع بھی کرو۔ میں نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے ؟ تو انہوں نے اس مسئلہ سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور ناراض ہو کر چلے گئے۔

میرا حسن ظن یہ ہے کہ اگر وہ ڈاکٹر صاحب کو یہ لکھ دیتے کہ آپ ان الفاظ میں رجوع کریں کہ " میں نے اپنے بعض خطابات میں بے احتیاطی سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف بلا قید مطلق خطاء کی نسبت کا جو تکرار کیا یہ میری غلطی ہے میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں " تو جلالی صاحب یقیناً رجوع کر لیتے مگر ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہو۔

پھر بد قسمتی سے بعض سنی پیر اور علماء حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئے اور ان کو گالیاں

دینا شروع کیں اور انہیں ضال، مضل، گستاخ اور خارج از اہلِ سنت کہنا شروع کر دیا صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے خلاف ایسا فتویٰ لکھوا کر اس پر دستخط کر دیئے اور اس کو انٹرنیٹ پر شائع کر دیا جس کی وجہ سے ڈاکٹر جلالی مسلسل اپنا دفاع کرتے رہے اور دفاع کے خطابات میں سارا وقت صرف کر دیا اور ان کو رجوع کا موقع ہی نہ ملا۔ اس سے واضح ہوا کہ مولوی چمن زمان کا ان پر اصرار بر معصیت کا الزام لگانا سراسر غلط اور خلاف واقع ہے۔

# میرا ایک خواب

یہ حقیقت ہے کہ جو دین کا کام کرتا ہے بمطابق آیت مبارکہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی مدد ہی سمجھتا ہوں کہ مولوی چمن زمان نے اپنے فتویٰ کی بنیاد جن گیارہ باتوں پر رکھی ہے ان میں سے چار باتیں جو میرے نزدیک ڈاکٹر جلالی کے کلام میں غیر ثابت تھیں ان کو تو میں نے رد کر دیا باقی رہیں سات باتیں وہ میرے نزدیک واقعیت اور حقیقت پر مبنی تھیں۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ انکی بھی کوئی توجیہ کر کے ڈاکٹر جلالی کے کلام کو بالکل بے غبار کر دوں۔

اگرچہ میں نے ایک ویڈیو کلپ میں انہیں غلطی پر کہا تھا جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ تھا کہ میرے اوپر کئی سوال اُٹھیں گے۔ لیکن میں نے اپنی ذات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محض ایک سنی عالم اور مبلغ اسلام کو اعتراض سے بچانے کیلئے اس سلسلہ میں بھی قدم اٹھانا چاہا، اسی مقصد کیلئے میں نے اپنی الماری کھولی اسوقت میرے پاس اصول فقہ کی کتاب حسامی مع ایک شرح کے موجود تھی میں نے چاہا کہ اصول فقہ کے بعض قواعد کی روشنی میں ان سات باتوں کی بھی توجیہ کر دوں۔

تقریباً ساڑھے نو بجے دن کا وقت اور جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ میں نے ان سات باتوں کی توجیہ کے ارادہ سے کتاب کی ورق گردانی شروع کر دی۔ ابھی میں نے کوئی

قاعدہ دیکھا ہی نہیں تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں مجھے واضح طور پر دکھایا گیا کہ اگر آپ نے ان سات باتوں کی توجیہ کی جیسا کہ آپ نے سوچ رکھا ہے تو آپ کو آزمائش میں ڈال کر اس خدمتِ دین سے جس میں مصروف ہو محروم کر دیا جائے گا۔ اور ملتان شہر سے نکال کر یزمان منڈی کے کسی ریگستانی علاقہ میں بھیج دیا جائیگا۔ وہاں دیہات، جنگل اور ریگستان کے سوا کچھ نہ ہوگا یعنی نہ سبزہ باغ نہ لوگوں کی کثرت اور نہ دور دور تک کوئی آبادی نظر آئیگی۔ تم کو ایک چھوٹی سی مسجد کی ذمہ داری سونپ دی جائیگی۔ پھر تم کبھی جنگل کی طرف دیکھو گے اور کبھی آسمان کی طرف، اور دیکھ دیکھ کر یہی سوچتے رہو گے کہ میں اس جنگل میں دین کا کام کیسے کروں گا؟ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

اللہ گواہ ہے کہ یہ خواب میں نے جمعہ کے دن تقریباً ساڑھے نو بجے کے بعد دیکھا ہے۔ اور جو کچھ خواب میں دکھایا گیا وہ اتنا واضح اور صاف تھا کہ اس کا نقشہ ابھی تک معمولی تصور سے نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

میں اپنے آپ کو یہ خواب کسی کے سامنے ظاہر کرنے سے روکتا رہا کیونکہ ایسی باتیں ظاہر نہیں کی جاتیں۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس کو ظاہر کر دیا کہ شاید میرے اس خواب کو ظاہر کرنے سے کسی کا دینی فائدہ ہو جائے اور مجھے ثواب مل جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ شاید میری یہ توجیہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بلند مرتبت اور عظمتِ شان کے خلاف ہوتی اسلیئے مجھے اس سے روک دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں اس رسالہ میں تیسری بار ڈاکٹر جلالی کو اپنی اس غلطی سے رجوع کا مشورہ دے رہا ہوں جس میں میرے نزدیک ان سے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان کے معاملہ میں بے احتیاطی ہوئی ہے۔ ان کو دوسرے سنی علماء سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے مجھے رجوع کے الفاظ لکھ کر نہیں دیئے اسلیئے میں نے رجوع نہیں کیا۔ تو ان سے اور ان کے تمام ہم خیالوں سے گزارش ہے کہ میں نے اس رسالہ میں ان کو دو جگہ رجوع کے الفاظ دیکر ان کے اس عذر کو دور کر دیا ہے لہٰذا امید ہے کہ اب وہ میرے مشورے کو قبول کرتے ہوئے اپنی اس غلطی سے رجوع کر لیں گے۔ ورنہ ان کو اور ان کے تمام ہم خیالوں کو یہ بات سوچ کر رکھنی چاہیئے کہ معلوم نہیں ڈاکٹر جلالی کی ذات اور ان کی

جماعت کیساتھ کیا ہو جائے۔ کیونکہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ بڑی عظیم بارگاہ ہے لہٰذا انکی شان کے معاملہ میں بے احتیاطی اور پھر اس پر اڑ جانا کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا بقولِ شاعر میں ڈاکٹر جلالی اور ان کے تمام ہم خیالوں بالخصوص ان کی جماعت والوں سے کہتا ہوں۔

من نگویم ایں مکن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

تنبیہ نمبر ۱۹:

## بدعت کو نیکی سمجھنے اور داعی بدعت ہونے کے اعتراض کا جواب

مولوی چمن زمان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۷ پر ڈاکٹر جلالی پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ معاذ اللہ بدعت کو نیکی سمجھتے ہیں اور صفحہ ۲۶۸ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ داعیٔ بدعت ہیں جواباً عرض ہے کہ آپ لوگ پہلے یہ ثابت کریں کہ ڈاکٹر جلالی کا اپنے اوپر لگائے گئے بے جا اعتراضات کو دفع کرنے کیلئے کوشش جاری رکھنا بدعت ہے۔ پھر ان پر یہ الزام لگانے کا جواز ہو گا کہ وہ اس بدعت کو نیکی سمجھ رہے ہیں اور اس کے داعی ہیں۔ اگر ان کی یہ کوشش بدعت ثابت ہی نہ ہو اور یقیناً ثابت ہو گا بھی نہیں کیونکہ اپنے دین اور عزت کو بچانا فرض ہے اور فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے تو جو چیز ڈاکٹر موصوف پر فرض ہے۔ مولوی چمن زمان اسی کو بدعت کہہ رہے ہیں کچھ خدا کا خوف کریں۔ لہٰذا ڈاکٹر جلالی پر یہ الزام کہ وہ بدعت کو نیکی سمجھ رہے ہیں اور بدعت کے داعی ہیں قطعاً بے بنیاد الزامات ہیں۔ اندریں صورت ان کو ایک سنی عالمِ دین پر بہتان قرار دیا جائیگا اور مولوی چمن زمان پر توبہ لازم ہوگی۔

تنبیہ نمبر ۲۰:۔

## مسلکِ حق اہلسنت وجماعت کی وضاحت

مسئلہ متنازعہ میں مسلک حق اہلِ سنت و جماعت کا بیان...... تین باتوں میں ضروری ہے

(۱) مسئلہ عصمت (۲) تمام صحابۂ کرام کا خیر کیساتھ ذکر کرنے کا وجوب (۳) کسی صحابیؓ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو سب بکنے اور اس پر طعن کرنے کا حکمِ شرعی۔

پس ان تینوں باتوں میں مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کا بیان درج ذیل ہے۔

(۱) تمام اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہوں سے معصوم ہونا صرف انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے اولیاء اللہ خواہ صحابہ ہوں یا اہلِ بیت اطہار یا دیگر اولیاء اللہ وہ محفوظ عن الخطاء تو ہیں مگر معصوم نہیں ہیں۔ جو شخص انبیاء و ملائکہ کے علاوہ کسی کو حقیقی معنیٰ میں معصوم سمجھے وہ مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت سے خارج ہے۔ المعتقد المنتقد ص ۱۱۷ میں ہے۔

**فمنه العصمة وهی من خصائص النبوة علی مذهب اهل الحق.**

ترجمہ: ان میں سے ایک عقیدہ عصمت ہے اور وہ اہلِ حق (اہلِ سنت و جماعت) کے مذہب پر نبوت کے خصائص میں سے ہے۔

فتاوٰی رضویہ ج ۱۴ ص ۱۸۷ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور میں ہے۔

اجماعِ اہلِ سنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسرے کو معصوم مانے اہلِ سنت سے خارج ہے۔

مولوی چمن زمان صاحب لکھتے ہیں:

شیخ علی بن محمد تمیمی نے نقل کیا:۔

**العصمة المنع من الذنب مع عدم جواز الوقوع وهی للانبیاء والملائکة علیهم الصلوة والسلام (تقریب السعید ص ۱۰۵)**

عصمت گناہ سے رکنے کیساتھ وقوع کے جائز نہ ہونے کا نام ہے۔ اور عصمت انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے ہے۔ (مولوی چمن زمان کی کتاب ص ۱۳-۱۴)

حقیقی معنی میں میں نے اسلئے لکھا ہے کہ مجازاً کبھی عصمت کا لفظ غیر انبیاء پر بھی بولا جاتا ہے لیکن وہاں حقیقی اور اصطلاحی معنیٰ کے لحاظ سے عصمت مراد نہیں ہوتی۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ ج ۱۴ ص ۱۸۷ میں ہے:۔

پھر عرفِ حادث میں بچوں کو بھی معصوم کہتے ہیں یہ خارج از بحث ہے۔

(۲) اہلِ سنت و جماعت کا مسلکِ حق تمام صحابۂ کرام کے متعلق یہ ہے کہ ان کا ذکر خیر

کیساتھ کرنا واجب ہے۔ اس میں عام صحابی سے لیکر اہلِ بیت کے عظم افراد تک سب ایک
حکم میں ہیں۔ لہٰذا کسی صحابی کو سب کرنا (گالی دینا) حرام ہے اور ایسا کرنے والا ملعون
ہے شرح عقائد نسفی ص ۱۱۶ میں ہے:۔

ویکف عن ذکر الصحابة الابخیر لما ورد من الاحادیث
الصحیحة فی مناقبهم ووجوب الکف عن الطعن فیهم
کقوله علیه السلام لاتسبو ااصحابی فلوان احد کم ان
انفق مثل احد ذهبا مابلغ مد احدهم ولانصیفه وکقوله علیه
السلام اکرموا اصحابی فانهم خیار کم الحدیث وکقوله
علیه السلام الله الله فی اصحابی لاتتخذ وهم غرضا من
بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فبیغضی
ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقداذی الله ومن
اذی الله تعالی فیوشک ان یا خذه ثم فی مناقب کل من
ابی بکر و عمر وعثمان و علی و الحسن والحسین و
غیرهم من اکابر الصحابة احادیث صحیحة وماوقع بینهم
من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاویلات . انتهی۔

ترجمہ: اور صحابۂ کرام کا ذکر صرف بھلائی کیساتھ ہی کیا جائے۔ بھلائی کے
سوا انکے متعلق ہر قسم کی گفتگو سے رُکا جائے۔ کیونکہ ان کے مناقب اور ان
(کے حق) میں طعن کرنے سے رکنے کے وجوب میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی
ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا فرمان ہے کہ میرے صحابہ کو سب
مت کرو (یعنی ان کو برا نہ کہو) اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ کے برابر سونا
خرچ کرے تو صحابہ کے ایک مد کے ثواب کو نہ پہنچے گا اور نہ اس کے آدھے کے
برابر (ثواب پائیگا) (بخاری، مسلم)
اور جیسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمان ہے: میرے صحابہ کی عزت کرو
کیونکہ وہ تم سے بہتر ہیں۔ الحدیث (نسائی واسنادہ صحیح ورجالہ رجال الصحیح)
اور جیسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمان ہے:۔ اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو

میرے صحابہ کے معاملہ میں۔ میرے بعد ان کو نشانہ مت بنانا۔ جو اُن سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے اور جو ان کو تکلیف دیتا ہے وہ مجھ کو تکلیف دیتا ہے اور جو مجھ کو تکلیف دیتا ہے وہ اللہ کو تکلیف دیتا ہے اور جو اللہ کو تکلیف دیتا ہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑے (ترمذی)

پھر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے مناقب میں صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ اور وہ جو ان کے درمیان جھگڑے اور لڑائیاں واقع ہوئیں تو ان کیلئے (اچھے) محامل اور تاویلات ہیں۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

**وسب ال بيته وازواجه واصحابه صلى الله عليه وتنقيصهم حرام ملعون فاعله (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ج ۲ ص ۳۰۷)**

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اہلِ بیت، آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کے صحابہ کو سب کرنا (گالی دینا اور برا کہنا) اور ان کی شان گھٹانا حرام ہے ایسا کرنے والا ملعون ہے۔

(۳) کسی صحابی کو سب بکنے اور اس پر طعن کرنے کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ اگر اس میں کسی دلیل قطعی کی مخالفت ہو تو کفر ہے ورنہ فسق[1] و بدعت ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی ص ۱۱۶ میں ہے:۔

---

[1] پھر اس کا فسق و بدعت ہونا اس شرط کیساتھ مشروط ہے کہ اس کو مباح نہ سمجھے اور اس پر ثواب مرتب ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اور اگر اس کو مباح سمجھے یا اس پر ثواب مرتب ہونے کا اعتقاد رکھے یا صحابہ کے کفر کا اعتقاد کرے تو بالاجماع کافر ہے۔ کیونکہ استحلال معصیت اور کسی مسلمان کو کافر سمجھنا بالاجماع کفر ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ واما من سب احدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالاجماع الا اذا اعتقد انه مباح او يترتب عليه ثواب كما عليه بعض الشيعة او اعتقد كفر الصحابة فانه كافر بالاجماع (تنبيه الولاة والحكام ص ۳۶۷)

ترجمہ: اور بہرحال جو شخص صحابہ میں سے کسی کو سب بکے (گالی دے اور برا کہے) تو وہ بالاجماع فاسق اور بدعتی ہے مگر جب وہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ بات مباح ہے یا اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے جیسا کہ بعض شیعہ اس (عقیدہ) پر ہیں یا وہ صحابہ کے کفر کا اعتقاد رکھے تو بلاشبہ وہ بالاجماع کافر ہے۔

جن فقہاء نے اکابر صحابہ یعنی حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سب بکنے والے کو کافر قرار دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۶۴ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ میں ہے: الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فھو کافر ترجمہ: رافضی جب شیخین (یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو سب بکے اور ان پر لعنت کرے اللہ کی پناہ۔ تو وہ کافر ہے۔ ان کے قول کی بنیاد محققین نے قرآن و حدیث کی تکذیب پر رکھی ہے۔ (دیکھو شرح مواقف ج ۲ ص ۷۱۸)

فسبهم والطعن فيهم ان كان ممايخالف الا دلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضی الله تعالی عنها والا فبدعة وفسق . انتهی

ترجمہ: پس ان (صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو سب بکنا (یعنی گالی دینا اور تبرا کرنا) اور ان کے بارے میں طعن کرنا اگر اس قبیل سے ہو کہ دلائل قطعیہ کے مخالف ہو تو کفر ہے جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانا ورنہ بدعت اور فسق ہے۔

## اس مسئلہ کی وضاحت کہ کسی صحابی کی طرف خطاء کی نسبت کا حکم کیا ہے؟

مذکورہ بالا تین باتوں میں مسلک حق اہلِ سنت وجماعت کے بیان کے بعد کسی صحابی کی طرف خطاء کی نسبت کا حکم واضح کرنا ضروری ہے کیونکہ مسئلہ متنازعہ میں اختلاف کی بنیادی وجہ اس مسئلہ میں مسلک حق اہل سنت و جماعت کو سمجھنے اور بیان کرنے میں افراط و تفریط پر مبنی آراء ہیں۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے کہتا ہوں کہ (۱) کسی مسئلہ شرعیہ میں جب کسی صحابی کی طرف خطاء کی نسبت کی جائیگی تو اس سے خطاء اجتہادی مراد ہوگی کیونکہ مسائل شرعیہ میں تمام صحابہ کرام نے اپنے اپنے طور پر اجتہاد کیا ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

لایجوز ان ینسب الی احد من الصحابة خطأ مقطوع به اذ کانوا کلهم اجتهدوا فیما فعلوه وارادوا الله عزوجل وهم کلهم لنا ائمه وقد تبعدنا بالكف عماشجر بینهم ولا نذكرهم الا باحسن الذكر (تفسیر قرطبی ج ۱٦ ص ۳۲۱)

ترجمہ: صحابہ میں سے کسی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر خطاء کی نسبت جائز نہیں ہے کیونکہ ان سب نے جو کام کیا اس میں اجتہاد کیا اور اللہ عزوجل (کی رضا اور خوشنودی) کا ارادہ کیا۔ وہ سب ہمارے پیشوا تھے۔ اور ہمیں ان کے آپس کے جھگڑوں اور معاملات سے زبان بندر کھنے کیساتھ دور رکھا گیا (یعنی ہمیں حکم ہے کہ ان کے آپس کے جھگڑوں اور معاملات میں پڑنے سے زبان بند رکھیں) اور ان کا ذکر نہ کریں مگر سب سے اچھے طریقہ کیساتھ۔

اس عبارت سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔

(۱) کسی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر خطاء کی نسبت جائز نہیں ہے۔ یہ حکم ان مسائل میں ہے جن میں حق متعین نہیں ہے بلکہ مجتہدین کے اجتہاد کے درمیان دائر ہے۔ رہے وہ مسائل جن میں حق متعین ہے ان میں قطعی اور یقینی طور پر اس صحابی کی طرف خطاء کی نسبت جائز ہے جس سے خطاء ہوئی ہے جیسا کہ باغ فدک کا مسئلہ۔ اس کی دلیل آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(۲) تمام صحابہ نے اپنے معاملات اور مسائل میں اجتہاد کیا ہے۔ لہٰذا جب کسی مسئلہ شرعیہ میں خطاء کی نسبت کسی صحابی کی طرف کی جائیگی تو اس سے خطاء اجتہادی مراد ہوگی۔

(۳) تمام صحابۂ کرام کا مقصد اپنے اجتہادات میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی تھی۔

(۴) تمام صحابۂ کرام ہمارے پیشوا اور امام تھے۔

(۵) ہمیں حکم ہے کہ ہم ان کے آپس کے جھگڑوں اور معاملات میں پڑنے سے زبان بند رکھیں۔

(۲) کسی صحابی کی طرف خطا بمعنیٰ گناہ کی نسبت بالکل جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اس پر سب بکنے کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے لہٰذا اس کا حکم سب بکنے کے حکم کی طرح ہے۔

(۳) کسی صحابی کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت بھی بلا ضرورت شرعیہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں عام لوگوں کی نظروں میں قصور کا معنیٰ پایا جاتا ہے پس عام لوگ یہ بات سن کر اس صحابی کو ہلکا جانیں گے اور اس میں اس صحابی کی ایک طرح سے ہتک ہے اور کسی صحابی کی ہتک (پردہ دری) جائز نہیں ہے۔

(۴) ضرورتِ شرعیہ کے تحت کسی صحابی کی طرف مطلق خطاء کی نسبت یا لغزش جو خطاء اجتہادی کے معنیٰ میں ہو اس کی نسبت اور یہ نسبت کسی مسئلہ شرعیہ کی وضاحت میں ہو اور اجتہادی کی قید کیساتھ خطاء کی نسبت جائز ہے۔ ضرورتِ شرعیہ سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت ہو اور اس ضرورت کے تحت ناچار ایسی بات کہنی پڑ جائے تو جائز ہے۔

اس کے چند دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

فلمامات ادعتِ فاطمة عليها السلام انه كان ينحلها فد كا
فقال ابوبكر انت اعزالناس على فقرا واحبهم الى غنى
لكنى لا اعرف صحة قولك ولا يجوز ان احكم بذلك.

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۰۶ سورۃ حشر زیر آیت ۶ مطبوعہ مکتبہ الحرمین الشریفین کانسی روڈ کوئٹہ)

ترجمہ: پس جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے وصال فرمایا تو
حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعویٰ کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم
نے ان کو باغ فدک ہبہ کر دیا تھا۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
آپ پر فقر میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ غالب ہے اور میرے نزدیک آپ کا غنی ہونا
تمام لوگوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ لیکن مجھے آپ کی بات کا صحیح ہونا معلوم نہیں ہو رہا اور
(ایسی صورت میں) یہ جائز نہیں کہ میں اس بات کا فیصلہ کروں (کہ باغ فدک آپ کو ملے)

دیکھئے! یہاں مسئلہ شرعیہ کی وضاحت کی ضرورت کیلئے حضرت سیدنا صدیق
اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عظیم صحابیہ اور اہل بیت کے عظیم فرد حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ فرما کر لکنی لا اعرف صحۃ قولک (لیکن مجھے آپ کی بات کا صحیح ہونا
معلوم نہیں ہو رہا) آپ کی طرف مطلق خطاء کی نسبت کی ہے لیکن اس سے خطاء اجتہادی
مراد ہے جیسا کہ اس سے پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا۔

(۲) حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ان مسائل میں جن میں حق متعین
ہوتا ہے صحابی رسول کی طرف خطاء کی نسبت کے جواز کو واضح کرتے ہوئے ان علماء کا رد کر
رہے ہیں جنہوں نے ایسے مسائل میں دونوں فریقوں کو حق پر قرار دیا اور ان کا بھی رد کر رہے
ہیں جنہوں نے کہا کہ حق پر تو ایک گروہ ہے لیکن ہم اس کو نہیں جانتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وبهذا يظهر فساد ماذهب اليه عمرو بن عبيدة و واصل بن
عطاء من ان المصيب احد الطائفتين ولانعلمه على التعيين
وكذاماذهب اليه البعض من ان كلتا الطائفتين على
الصواب بناء على تصويب كل مجتهد وذلك لان

الخلاف انما هو فيما اذا كان كل منهما مجتهد في الدين على الشرائط المذكورة في الاجتهاد لا في كل من يتخيل شبهة واهية ويتأول تاويلا فاسدا ولهذا ذهب الاكثرون الى ان اول من بغى في الاسلام معاوية لان قتلة عثمان لم يكونوا بغاة بل ظلمة وعتاة لعدم الاعتداد بشبهتهم ولانهم بعد كشف الشبهة اصروا اصرارا واستكبروا استكبارا

(شرح المقاصد ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور پاکستان)

ترجمہ: اور اسی سے ظاہر ہو جاتا ہے فساد اس (بات) کا جس کی طرف عمرو بن عبیدہ اور واصل بن عطاء گئے ہیں کہ حق وصواب پر پہنچنے والا دونوں گروہوں میں سے ایک ہے اور ہم اسے معین طور پر جانتے نہیں۔ اور اسی طرح (اس بات کا فساد بھی ظاہر ہو جاتا ہے ) جس کی طرف بعض علماء گئے ہیں کہ دونوں گروہ حق وصواب پر ہیں اس بناء پر کہ ہر مجتہد حق وصواب پر ہوتا ہے۔ اور یہ (یعنی اس فساد کا ظاہر ہونا) اسلئے ہے کہ یہ اختلاف (کہ ہر مجتہد حق وصواب پر ہوتا ہے یا کوئی خطاء پر اور دوسرا حق وصواب پر ہوتا ہے) محض اس صورت میں ہے جب ان دونوں میں سے ہر ایک دین میں اجتہاد کرنے والا ہو ان شرائط پر جو اجتہاد (کے بارے) میں مذکور ہیں۔

نہ کہ ہر اس شخص میں جو فضول شبہ کا خیال کرے اور تاویل فاسد کرے۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل باغی نہیں تھے بلکہ ظالم اور جھگڑالو تھے کیونکہ انکے شبہ کا اعتبار نہیں کیا گیا اور اسلئے کہ شبہ کے دور ہونے کے بعد انہوں نے بہت اصرار اور بڑا تکبر کیا۔

دیکھئے! اس عبارت میں حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ کی طرف نہ صرف بغاوت کی نسبت کی ہے بلکہ اس کو اکثر علماء کا مذہب قرار دیا ہے۔ یہ چونکہ مسئلہ شرعیہ کی وضاحت کی ضرورت کے تحت ہے اسلئے علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے صحابیٔ رسول کا گستاخ قرار نہیں دیا۔

(۳) بحرالعلوم علامہ عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

واھل البیت کسائر المجتھدین یجوز علیھم الخطاء فی اجتھاد ھم وھم یصیبون ویخطئون و کذا یجوز علیھم الزلۃ وھی وقوعھم فی امر غیر مناسب لمر تبتھم من غیر تعمد کما وقع من سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنھا من ھجرا نھا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ واصحابہ وسلم حین منعھا فدک من جھۃ المیراث ولاذنب فیہ

(فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۸۸)

ترجمہ: اور اہلِ بیت باقی مجتہدین کی طرح ہیں ان کے اجتہاد میں ان پر خطاء جائز ہے اور وہ درستگی کو پہنچتے ہیں اور خطاء بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح ان پر لغزش جائز ہے۔ اور لغزش سے مراد ان کا بغیر ارادہ وقصد کے کسی ایسے امر میں واقع ہو جانا ہے جو ان کے مرتبہ کے مناسب (اور شان کے لائق) نہیں۔ جیسا کہ حضرت سیدۃ النسا (فاطمۃ الزہراء) رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے واقع ہوا کہ جب خلیفۂ رسول (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کو باغ فدک بجہتِ میراث دینے سے منع کیا انہوں نے آپ سے ہجران کیا (یعنی ملنا جلنا چھوڑ دیا) اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔

دیکھئے! اس عبارت میں حضرت علامہ بحرالعلوم عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف لغزش کی نسبت کی ہے لیکن یہ نسبت چونکہ مسئلہ شرعیہ کی وضاحت کے تحت ہے اور مثال دینے کی ضرورت کیلئے ہے اسلئے علامہ عبدالعلی بحرالعلوم کو حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بے ادب اور گستاخ نہیں کہا گیا۔ لہٰذا انصاف یہ ہے کہ ڈاکٹر جلالی کو بھی ان کا بے ادب اور گستاخ نہ کہا جائے کیونکہ انہوں نے بھی باغ فدک کے مسئلہ کی وضاحت کے تحت ضرورتاً خطاء کی نسبت کی ہے۔ اور اس سے خطاء اجتہادی ہی مراد ہے کما فصلناہ

## فائدہ

# ایک اشکال کا حل

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک اشکال تحریر فرما کر اس کا جواب دیا ہے یہاں بطور فائدہ اس کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

فان قیل یزعمون ان الوقیعة فی الصحابة رضی الله تعالی عنهم بالطعن واللعن والتفسیق والتضلیل بدعة وضلالة وخروج عن مذهب الحق . والصحابة انفسهم کانوا یتقاتلون بالسنان ویتقاولون باللسان بما یکره وذلک وقیعة قلنا مقاولتهم ومخاشنتهم فی الکلام کانت محض نسبة الی الخطاء وتقریر علی قلة التامل وقصد الی الرجوع الی الحق ومقاتلتهم کانت لارتفاع التباین والعود الی الالفة والاجتماع بعد مالم یکن طریق سواه وبالجملة فلم یقصدوا الاالخیر والصلاح فی الدین واماالیوم فلا معنی لبسط اللسان فیهم الاالتهاون بنقلة الدین الباذلین انفسهم وا موالهم فی نصرته المکرمین بصحبة خیر البشر ومحبته (شرح المقاصد ج۲ ص۳۰۶ مطبوعه دارالمعارف النعمانیه لاهور)

ترجمہ: پس اگر کہا جائے کہ (علماء) گمان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام پر طعن ولعن اور تفسیق و تضلیل (فاسق اور گمراہ کہنے) کیساتھ حملہ کرنا بدعت وضلالت اور مذہب حق سے خروج ہے حالانکہ خود صحابہ ایک دوسرے کیساتھ نیزوں سے لڑتے تھے اور زبان سے ایک دوسرے کو ناپسندیدہ باتیں کرتے تھے اور یہ حملہ کرنا ہی ہے (پس جو کام خود صحابۂ کرام ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے اس کو دوسروں کے حق میں بدعت وضلالت اور مذہب حق سے نکلنا کیوں کہتے ہیں)

ہم (جواباً) کہیں گے کہ ان کا ایک دوسرے کیساتھ ہم کلام ہونا اور گفتگو میں ایک دوسرے کیساتھ سخت برتاؤ کرنا محض خطاء کی طرف نسبت سوچ بچار کی کمی پر تقریر اور حق کی

طرف رجوع کرنے کا قصد تھا اور ان کا ایک دوسرے کیساتھ لڑائی کرنا تضاد کو اٹھانے اور محبت و اجتماع کی طرف لوٹنے کیلئے تھا بعد اس کے کہ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اس سے بھلائی اور دین میں اصلاح کے سوا کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

اور بہر حال اس دور میں پس ان کے معاملہ میں زبان کھولنے کا کوئی معنیٰ نہیں سوائے (کوتاہی) اور سستی کے ان کے حق میں جو دین کے ناقل ہیں، اپنی جانوں اور مالوں کو دین کی نصرت میں خرچ کرنے والے ہیں اور خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت اور آپ کی محبت کی وجہ سے معزز و مکرم ہو چکے ہیں (لہٰذا یہ یقیناً بدعت و ضلالت اور مذہب حق سے نکلنا ہے)

**تنبیہ نمبر ۲۱:۔**

# بعض سنی علماء و مشائخ کو تنبیہ

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ظالم کہنے والے رافضیوں کا رد کرتے ہوئے ضرورتاً حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف باغ فدک کے مطالبہ میں خطا اور غلطی کی نسبت کی تھی۔ اس کے رد عمل میں مفتی جمیل احمد صدیقی نے اسی خطا کی نسبت کو بنیاد بناتے ہوئے ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کے خلاف فتویٰ لکھا اور اس فتویٰ میں ان کو حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمیت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا گستاخ قرار دیا بلکہ اس کلام کو بالواسطہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی گستاخی بھی قرار دیا اور پھر ڈاکٹر جلالی کے بارے میں لکھا:

لہٰذا ایسا شخص لعنتی، ضال، مضل، اور اہل سنت سے خارج ہے۔ اگر اس پر مصر ہو تو کفر تک جائیگا اور پھر اس حکم کی دلیل میں شرح شفا اور ارشاد الساری شرح صحیح بخاری سے ایک ایک عبارت نقل کر دی۔ جو کہ اہل بیت اطہار، ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب بکنے یعنی ان کو گالی دینے والے کے متعلق ہیں۔ اس فتویٰ پر بعض سنی علماء و مشائخ کے

دستخط بھی ہیں۔ اس فتاوی کے آخر میں مفتی جمیل احمد صدیقی نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ تفصیلی دلائل بعد میں پیش کئے جائیں گے۔ مگر ابھی تک ان کے تفصیلی دلائل نہیں آئے۔ ہاں مولوی چمن زمان کی کتاب تفصیلی دلائل کیساتھ انٹرنیٹ پر شائع ہوئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب مل جل کر لکھی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہرحال مفتی جمیل احمد اور ان کے فتاوی پر دستخط کرنے والے سنی علماء و مشائخ کی جناب میں گزارش ہے کہ کسی مسئلہ شرعیہ کی وضاحت کیلئے ضرورتاً اہلِ بیتِ اطہار اور دیگر صحابہ میں سے کسی کی طرف اجتہادی خطاء کے امکان یا وقوع یا مطلق خطاء جو اجتہادی خطاء کے معنیٰ میں ہو یا لغزش کی نسبت کرنا جائز اور اکابرینِ اہلِ سنت سے ثابت ہے نہ اس میں سب (گالی) ہے اور نہ بدعت و معصیت جیسا کہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے لہٰذا یہ فتاوی غلط ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ یہاں تک پہنچ کر فقیر نے باغ فدک کے مسئلہ میں اٹھنے والے اختلاف کو حل کر دیا ہے اور اس مسئلہ میں حق کو آفتابِ نیمروز کی طرح واضح کر دیا ہے۔

مولوی چمن زمان کی کتاب پر مختصر اور جامع تبصرہ کیا جس میں جزئیات کی تفاصیل کو چھوڑ کر اصولی طور پر انکی پوری کتاب کا جواب آ گیا ہے۔ میری ان علمی بحثوں سے چھوٹی چھوٹی باتوں اور جزئیات کا جواب خود بخود واضح ہو جائیگا۔ اب آخر میں مولوی چمن زمان اور دیگر سنی علماء و مشائخ سے ایک گزارش کر کے اپنے قارئین کرام سے اجازت چاہوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

# آخری گزارش

آخر میں بالخصوص مولوی چمن زمان اور مفتی جمیل احمد صدیقی سے اور بالعموم تمام سنی علماء و مشائخ اور دیگر قارئین کرام سے گزارش ہے کہ فرضی باتوں میں آ کر ایک سنی عالمِ دین اور مسلک کے خادم اور مبلغ اسلام کو لعنتی کہنے سے پہلے کاش کہ ہمارے اکابر علماء و مشائخ مسلم شریف کی اس حدیث کو سامنے رکھتے جس میں ہے کہ ایک مسلمان کو لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔ ایک سنی عالمِ دین اور خادم مسلک کو بالخصوص حضرت سیدۃ النساء اور بالعموم دیگر اہلِ بیت کا گستاخ فرض کر کے اس پر ضال مضل اور خارج از اہلِ سنت اور لزوم

کفر کا فتوی لگا کر اس کو فناء کرنے سے پہلے کاش کہ ہمارے علماء و مشائخ حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو پیش نظر رکھتے، فرماتے ہیں۔

**فان الخطاء فی ابقاء الف کافر اهون من الخطاء فی افناء مسلم فی الفرض و التقدیر (شرح فقه اکبر ص ۱۲۴)**

ترجمہ: کیونکہ ہزار کافر کے باقی رکھنے میں غلطی کرنا زیادہ آسان ہے اس سے کہ فرضی باتوں میں آکر ایک مسلمان کو فناء کرنے میں غلطی کی جائے۔

بہر حال اب جبکہ مسئلہ اپنے دلائل کے ساتھ واضح ہو گیا تو

گزشتہ راصلوات آئندہ را احتیاط۔

کے پیش نظر امید ہے کہ وہ مستقبل میں احتیاط سے کام لیں گے اگر انہوں نے یہ اقدامات حضرت سیدۃ النساء اور اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت میں انکی عزت و شان کو بچانے کیلئے کئے ہیں تو ان کو اپنی نیک نیتی کے مطابق اجر ملے گا لیکن اپنے مسلک کے علماء سے پیار و محبت برقرار رکھنا بھی ضروری سمجھیں۔

ڈاکٹر جلالی اور ان کے ہم خیال علماء سے گزارش ہے کہ آپ لوگ بھی احتیاط سے کام لیں۔ کیونکہ یہ معاملہ بہت سنگین ہے، یہ کوئی عام شخصیت کا مسئلہ نہیں کہ معمولی بے احتیاطی کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا مسئلہ ہے یہ اس ہستی کا مسئلہ ہے جن کی اذیت کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنی اذیت قرار دے چکے ہیں ~~بلکہ یہاں تک فرما چکے ہیں~~ اور جن کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی فرما چکے ہیں بلکہ یہاں تک فرما چکے ہیں کہ جو چیز ان کو قلق میں ڈالتی ہے وہ مجھے قلق میں ڈالتی ہے۔ لہٰذا انکی عظیم بارگاہ میں بہت احتیاط ضروری ہے۔ پس بغیر کسی سخت ضرورت شرعیہ کے ان کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت سے بھی پرہیز کو لازمی تصور کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لوگوں کی دیکھا دیکھی چھوٹے چھوٹے مولوی اپنی محفلوں میں اس نسبت کو عام کرنے لگ جائیں اور اس کا سارا وبال آپ لوگوں پر آئے۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

سنبھل کر پاؤں رکھنا حاجیو شہر مدینہ میں
کہیں ایسا نہ ہو سارا سفر بے کار ہو جائے

مراد ما نصیحت بود و گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

وماعلینا الا البلغ المبین قد تمت الرسالة بالحمد لله رب العالمین وصلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین امین برحمتک یا ارحم الراحمین

بحمدہٖ تعالیٰ اس رسالہ مبارکہ کی تکمیل آج بروز اتوار بعد نماز ظہر ۲۴ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔

طالب دعا فقیر الی اللہ عطا محمد نقشبندی مجددی حنفی حال مدرس جامعہ اسلامیہ خیر المعاد قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان وامام وخطیب جامع مسجد حنفیہ محلہ ملک مراد اندرون دہلی گیٹ ملتان